بِسمِ اللّٰہِ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اِنّ اللّٰہ لایغیّر ما بقومٍ حتی یغیّروا ما بانفسھم

قیمت پیشگی سالانہ عوام سے ۲ خواص اور معاونین سے ۵ہندوستان سے باہر ۳

الحکم

قادیان دارالامان

نمبر ۲ | ۱۷ جنوری ۱۹۰۲ء مطابق ۶ شوال ۱۳۱۹ھ بہجرۃ المقدسہ یوم جمعہ | جلد ۶

شحنۂ ہند کا اڈیٹر اور اسکی اغوان

اگر اب بھی نہ سمجھیں تو پھر انسے خدا سمجھے

یَا اَیُّھَا اتَّقُوا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ مطبوعہ ۸ جنوری ۱۹۰۲ء کالم ۲ مین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء پر اعتراض کیا گیا ہے اور اسکا عنوان جمایا گیا ہے "بیمعنی الہام"۔ چنانچہ اڈیٹر صاحب جو مجدد السنۃ مشرقیہ ہونے کا دعوے کرتے ہین۔ فرماتے ہین: "یہ فقرہ بالکل بیمعنی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا جی کا خدا عرب کے محاورات اور انکی غلطی اور صحت سے ناواقف ہے۔ بھلا ایسا ملہم خدا کسکا م۔ اسلئے جری بروزن فعیل صفات مین سے ہے جری اسم فاعل ہے یا مفعول یعنی اللّٰہ کیجانب مضاف ہے تو یہ معنی ہوئے خدا کا جرأت کرنیوالا یا خدا کو جرأت دینیوالا یا یہ معنی ہوئے کہ خدا کا جرأت کیا ہوا اگر زبردستی اس کو اسم مفعول بنانا چاہین۔"

افسوس! مستعجل نادان انجام سے غافل نہین ڈرتا اور نہایت بیباکی سے زبان کو سرکش گھوڑے کا لگام ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے شحنہ ہند کا اڈیٹر لسان کے تذکر و تانیث کے معاملہ مین ایکدفعہ ذلیل و رسوا ہو چکا تھا۔ مگر اس شریر کو کافی نہ سمجھکر ذلت کا ہدف بننے کیلئے پھر تیار ہوا ہے و من یھن اللّٰہ فما لہ من مکرم

سنئے

السنۂ مشرقیہ کے مجدد صاحب! یہ جرِیَ جرءٌ یجرءُ جرأۃً یعنی باب الہمزہ سے نہین جیسا آپنے سمجھا ہے۔ بیہ جری یجری جریًا وجریاً (یاء سے) ہے جسکے معنی ہین۔ الرسول۔ چنانچہ لسان العرب مین لکھا ہے الجری الرسول۔ والوکیل تقول جریت جریاً واستجریت جریاً ای اتخذت وکیلاً وسمی الوکیل جریاً لانہ یجری مجری موکلہ والضامن واما الجری ء (جرأت کرنیوالا) المقدام فھو من باب الھمزہ اب جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء کے معنی ہوئے۔ رسول اللّٰہ وکیل اللّٰہ۔ ضامن اللّٰہ یعنی رسول من عند اللّٰہ۔ وکیل من عند اللّٰہ ضامن من عند اللّٰہ یعنی اللہ کی طرف سے رسول اور اللہ کیطرف سے وکیل اور اللہ کیطرف سے ضامن

اب

بتاؤ کیا یہ وحی خدا کی اور زندہ اور سچے خدا کی اور عرب کے محاورات سے واقف خدا کی وحی اور کلام ہے یا نہین؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے جیسے رسول اور نبی اور نذیر اور بشیر کے پکارا ہے ویسے ہی جری کے لفظ سے یاد فرمایا ہے شاید اس نام سے اطلاق کرنیکی حکمت بھی ہوگی جو آج ظاہر ہوئی ہے کہ تمہاری جیسی جاہلین بالسؤ مخالفون کے علم وفضل کی پردہ دری ہوگئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ یا قوم الیس منکم رجل رشید؟ ایک ایک بھی نہیں! جو ان غولون کو سمجھائے کہ آئندہ ایسی بیحیائی سے باز آجائیں کیا اس نادانی پر السنۂ مشرقیہ کی تجدید کا دعویٰ زیبا ہے؟

[illegible] ا-د گجراتی! کب تک یہ چیتھڑا تیری ناپاکیوں سے آلودہ ہوکر خدا کے ملائکہ مقربین کی مشام کو ایذا دیتا رہیگا؟ یاد رکھو والعاقبۃ عند ربی للمتقین !!!

کھاتے پیتے اور حوائج بشری کے محتاج ہیں مگر یہ خدا کا احسان ہوا ہے کہ ہمکو ہمیں اپنے مکالمات کا شرف بخشا ہے اُس نے ہمیں منتخب کیا ہے اور ہم میں ایک جذب مقناطیس رکھا ہے جس سے دوسرے کھیچے چلے آتے ہیں۔ خدا کی توحید کا پانی جو مایہ حیات ابدی ہے وہ ہمارے ہاں سے ملتا ہے اور لوگ خوش ہوتے ہیں۔

مگر

بدکار انسان جس طرح اپنی بدیوں جاہلوں شہوات و جذبات کا اسیر و پابند ہوتا ہے دوسروں کو بھی اسی پر قیاس کرتا ہے اور ایک نامرادی پر دوسری نامرادی لاتا ہے اور کہتے ہیں کہ

یرید ان یتفضل علیکم۔

یہ چاہتے ہیں کہ تم پر فضیلت حاصل کریں دکان چلجاوے۔ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے کچھ جمع کرلیں یہ انکی اپنی ہی ہوائے نفس ہوتی ہے جسمیں دوسروں کو اسی طرح ملوث اور ناپاک خیال کرتے ہیں جیسے خود ہوتے ہیں۔

یہ خطرناک مرض ہے جسکو شریعت میں سوءظن کہتے ہیں بہت سے لوگ اسمیں مبتلا ہیں اور ہزاروں قسم کی نکتہ چینیوں سے دوسروں کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں اور اسے حقیر بنانے کی فکر میں ہیں مگر یاد رکھو

فان عاقبتم الایۃ

عقاب کے معنے جو پیچھے آتا ہے انسان جو بلاوجہ دوسرے کو بدنام کرتا ہے اور سوءظن سے کام لیکر اسکی تحقیر کرتا ہے اگر وہ شخص اس بدی میں مبتلا نہیں جس بدی کا سوءظن والے نے اسے متہم ٹھہرایا ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ سوءظن کرنیوالا ہرگز نہیں مرے گا جب تک خود اس بدی میں گرفتار نہ ہولے پھر بتاؤ کہ سوءظن سے کوئی کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہے؟ مت سمجھو کہ نمازیں پڑھتے ہو عجیب عجیب خوابیں تمکو آتی ہیں یا تمہیں الہام ہوتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر یہ سوءظن کا مرض تمہارے ساتھ ہے تو یہ آیات تمپر حجت ہوکر تمہارے ابتلا کا موجب ہیں اس لیے ہر وقت ڈرتے رہو اور اپنے اندر کا محاسبہ کرکے استغفار اور حفاظت الٰہی طلب کرو۔

میں پھر کہتا ہوں کہ آیات اللہ جن کے باعث کسیکو رفعت شان کا مرتبہ عطا ہوتا ہے اُنپر تمہیں اطلاع نہیں وہ الگ رتبہ رکھتی ہیں مگر وہ چیزیں جنسے خود رائی خود پسندی۔ خود غرضی۔ تحقیر۔ بدظنی اور خطرناک بدظنی پیدا ہوتی ہے وہ انسان کو ہلاک کرنیوالی ہیں۔ ایک ایسے انسان کا قصہ قرآن میں ہے جس نے آیات اللہ دیکھے مگر اسکی نسبت ارشاد ہوتا ہے

ولو شئنا لرفعناہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث

بدگمانیوں سے اپنے آپکو بچاؤ۔ ورنہ نہایت ہی خطرناک جھوٹ میں مبتلا ہوکر قرب الٰہی سے محروم ہو جاوگے۔ یاد رکھو حسن ظن والے کو کبھی نقصان نہیں پہونچتا مگر بدظنی کرنے والا ہمیشہ خسارہ میں رہتا ہے۔

غرض

پہلا مرحلہ جو انبیاء علیہم السلام کے مخالفوں اور اُن کی ذریت اور قوموں کو پیش آیا وہ یہ تھا کہ اپنے آپ پر قیاس کیا۔ پھر یہ بدظنی کی کہ

یرید ان یتفضل علیکم

تم پر فضیلت چاہتا ہے۔ پس اس پہلی اینٹ پر جو ٹیڑھی رکھی جاتی ہے جو دیوار اسپر بنائی جاوے خواہ وہ کتنی ہی لمبی اور اونچی ہو مگر کبھی مستقیم نہیں ہو سکتی وہ آخر گرے گی اور نیچے کے نقطہ پر پہونچے گی۔ سوءظن کرنیوالا نہ صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے بلکہ اسکا اثر اس کی اولاد پر اعقاب پر ہوتا ہے اور وہ اُنپر مصیبت کے پہاڑ گرا کر ہے جنکے نیچے ہمیشہ راستبازوں کے مخالفوں کا سر کچلا گیا ہے۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ یہ سوءظن خطرناک بلا ہے جو اپنے غلط قیاس سے شروع ہوتا ہے پھر غلط نتائج نکالکر قوانین کلیہ تجویز کرتا ہے اور اسپر غلط ثمرات مترتب ہوتے ہیں اور آخر قوم نوح علیہ السلام کی طرح ہلاک ہو جاتا ہے۔

پھر اس سوءظن سے تیسرا خیال اور غلط نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ

لو شاء اللہ لانزل ملائکۃ

اگر اسکو قرب الٰہی حاصل تھا اگر یہ واقعی خدا کیطرف سے آیا تھا تو پھر کیوں خدا نے ملائکہ کو نہ بھیجدیا۔ جو مخلوق کے دلوں کو کھینچکر اسکی طرف متوجہ کر دیتے اور انکو بھی مکالمات الٰہیہ سے مشرف کرکے یقین دلا دیتے اسوقت بھی بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں میں اس نتیجہ پر اُن خطوط کو پڑھ کر پہونچا ہوں جو کثرت سے میرے پاس آتے ہیں جنمیں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے ہم نے بہت دعائیں کیں توجہ کی۔ اور کوئی الہام رویا یا مکالمہ نہیں ہوا۔ پس ہم کیونکر جانیں کہ فلاں شخص اپنے اس دعوے الہام میں سچا ہے؟ یہ ایک خطرناک غلطی ہے جسمیں دنیا کا ایک بڑا حصہ ہمیشہ مبتلا رہا ہے حالانکہ انھوں نے کبھی بھی اپنے اعمال اور افعال پر نگاہ نہیں کی اور کبھی موازنہ نہیں کیا کہ قرب الٰہی کے کیا وسائل ہیں اور ان کے اختیار کرنے میں کہاں تک سچی محنت اور کوشش سے کام لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر مشیت حق میں یہ بات ہوتی تو وہ ملائکہ بھیجتا۔ یہ مثال اُن لوگوں کی بعینہ اس طرح ہے جیسے کوئی چھوٹا سا زمیندار جس کے پاس دو چار گھماؤں اراضی ہو اسکو نمبردار کہے کہ محاصل ادا کرو۔ اور وہ کہدے کہ تو میرے جیسا ہی ایک زمیندار ہے تجھکو مجھپر کیا فضیلت ہے صرف اپنی عظمت اور بڑائی جتانے کو محاصل مانگتا ہے اور ہمارا روپیہ مارنا چاہتا ہے اگر کوئی بادشاہ ہوتا تو وہ خود آ کر لیتا وہ آپ کیوں نہیں آیا مگر

لقد استکبروا فی انفسہم وعتوا عتوا کبیرا (باقی آئندہ)

ایڈیٹوریل

ہیڈنگ کی تحت مین آئندہ باقاعدہ وہ مضامین درج ہونگی - جو ایڈیٹر کے اپنے قلم سے نکلے ہوئے ہونگے - لیکن چونکہ کئی اہم اور ضروری مضمون درپیش ہین جن مین سے بعض تو اسی اشاعت سے شروع کئے جاتے ہین اور بعض کسی اگلی اشاعت سے اور وہ بہت لمبے مضامین ہین اس لئے ہم چاہتے ہین کہ حصہ رسدی کے طور پر ہرایک مضمون شروع کردیا جاوے پس ناظرین باقی آئندہ کی قید سے نہ گھبرائیں - ایڈیٹر

یادِ رفتگان

معمول کے موافق ا[illegible]ری دنیا مین سالِ گذشتہ کے واقعات پر اجمالی یا تفصیلی ریویو لکھا جا رہا ہے اور سب کے سب بالاتفاق سنہ ۱۹۰۱ء کو منحوس سال کہتے ہین - مگر ہم یہ کہتے ہین کہ ہرایک سال درحقیقت انسان کے اپنے اعمال کا ایک اثر اور نتیجہ ہوتا ہے سو افراد اور مجموعی ہیئت کو فکر کرنی چاہئے کہ آسمان کی جو مین وہ کس قسم کے اعمال لیکر چڑھ رہے لگی ہین اسلئے کہ جو سعادت اور شقاوت دونو سال کی شکل مین ہر ایک کی ہمین اخبارات مین یہ جملے پڑھ کر افسوس ہوتا ہے کہ یہ سال منحوس تہا اسلئے کہ ہم یقیناً سمجھتے ہین وہ اندوہناک واقعات جو اس مین ہوئے حقیقت مین انسان کے لئے بیدار کن علامتیں اور دنیا کی بے ثباتی کے عبرت بخش سین دکہا کر خشیت الٰہی کو پیدا کرنے والے الارم تہے - جنہین ہم نے بالکل سرسری اور اوپری نگاہ سے دیکہا اور ان سے کچہہ بہی سبق حاصل نہ کیا - ورنہ اگر ان عظیم الشان انسانون کے خاک مین ملجانے اور مختلف قسم کے کشت وخون یا ہیبتناک بیماریون سے ہمنے کوئی سبق حاصل کیا تہا اور دنیا کی بے ثباتی او مکافات عمل کے حق ہونے اور خدائے برتر و مقتدر کی ہستی اور بقا پر کوئی ٹہوکر ہمارے دل پر لگتی تہی اور اس نے دل پر حیرت انگیز اثر ڈال کر اس کو نیکیون کی طرف متوجہ کیا تہا تو گو وہ واقعات اپنی نوعیت مین کیسے ہی اندوہناک ہون - لیکن جب کسی دل کو نیکی کیطرف متوجہ کر سکیں - اور خشیت الٰہی پیدا ہونے کے موجب ہون - کم از کم اس شخص واحد کی ذات کے لئے وہ مبارک ضرور ہو جاتے ہین -

مگر

جب ہم اخبارات مین گذشتہ سال کی نحوست پر بڑے بڑے آرٹیکل پڑہتے ہین تو حقیقت مین ہمین سخت رنج ہوتا ہے - کہ انسان ایسا بے خود اور ارفتہ ہو رہا ہے اور اس کا دل کچہہ ایسا سُن اور خاموش ہے کہ کوئی بیدار کرنے والی تحریک اس کے لئے موثر نہیں ہوتی -

لیکن

ہان اس دارفتگی کے عالم پر ایک غائر نگاہ کرنے کے بعد اور ملک اور قوم کی یہ بیخودی اور خود فراموشی دیکہکر اور ان واقعات اور بلاؤن پر غور کر کے جو سال گذشتہ کو منحوس کہلانے کا موجب ہوئی ہین - ہم اس پاک ارشاد کی صداقت کو ضرور پاتے ہین جو خدای حکیم و مجید کتاب مین یون درج ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا یعنی عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتا جب تک کسی رسول کی بعثت نہ ہولے -

اب

اگر اخبار نویسوں کا یہہ کہنا سچ ہے (اور ضرور سچ ہے) کہ سنہ ۱۹۰۱ء کے واقعات سخت اندوہناک ہین اور وبائین جو طاعون وغیرہ کی اس سال مین نازل ہوئیں - اور وہ کشت وخون جو دنیا کے مختلف حصون مین خونخوار جنگوں کی صورت مین ہوئے عذاب الٰہی سے کم نہیں تو پہر ہم کہتے ہین کہ کیوں وہ ان مصائب اور تکالیف کے اسباب پر غور کرنے کے لئے اپنی نظر بلند نہیں کرتے ؟

اگر مادہ پرستی اور نیچریت ازم نے بلند نظری اور غور کن طبیعت کو سرد کردیا ہے تو پہر ہم کہتے ہین کہ یہ حد سے بڑہی ہوئی بیماری جو بیماری کو تندرستی بتاتی ہے - کیون بجائے خود اس امر کی دلیل واضح نہیں ہو سکتی - کہ

مرد از غیب برون آید و کاری بکند

ملک کی حالت پر نوحہ خوانی کرنیوالے مدبرون اور ریفارمرون سے کوئی پوچہے کہ جس حال مین باوجود علوم و فنون کی روزافزون ترقیون کے ملک کی اخلاقی تمدنی اور معاشرتی اور مجلسی حالت گری جاتی ہے فسق و فجور فریب و دغا - غداری و بے ایمانی کا سیلاب اپنی حدود سے نکل گیا ہے اور انکی تدبیرون مین کوئی نمایان ترقی اور کامیابی نظر نہیں آتی تو کیون وہ اس فکر مین نہیں ہوتے کہ ان معاملات کا علاج ان کے پاس نہیں اور یہ مصائب بجائے خود اس امر پر دلالت کرتی ہین کہ ان کا کوئی نہ

کوئی صادق معالج ضرور ہونا چاہئے -

عام لوگون کو چہوڑ کر ہم اپنی قوم کے دانشمندون اور بزرگون کو مخاطب کرتے ہین اور ان سے پوچھتے ہین - کہ ان کا مختلف سوسائٹیان اور مجلسین قائم کرنا بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ مسلمانون کی نازک حالت ہے اور اصلاح کی زبردست ضرورت ہے ان سوسائٹیون کے مختلف اغراض مثلاً مسلمانون کے دین و مذہب کی حمایت - مخالفین مذہب کے اعتراضون کا جواب - یتامی اور بیوگان کی حفاظت غیر مذہب والون سے مسلمانون کی پولیٹیکل حقوق کی حفاظت - انکی تعلیمی حالت کی اصلاح انکے افلاس وضعف پر غور وغیرہ وغیرہ اغراض ومقاصد صاف بتا رہے ہین - کہ مسلمان ہر پہلو پر گرے ہوئے ہین اور انکی **مجموعی حالت**

بشتابید نصرتما

کی فریاد کر رہی ہے +

ان سب امور کو اب جمع کر و اور پہر بتاؤ کہ کیا تمہاری نظر ہی قرآن مجید پر نہیں پڑتی جو پکار پکار کر کہتا ہے وما ارسلنا فی قریة من نبی الا اخذنا اھلھا بالبأساء والضراء لعلھم یضرعون واقعات بأساء اور ضراء کی شہادت دے رہے ہین عذاب الٰہی کی مختلف صورتین نمودار ہو چکی ہین - مگر افسوس کہ ان اسباب پر نظر نہیں جو اس کا موجب ہوے ہین -

ہم اس مضمون کو کسیقدر بسط سے لکہنا چاہتے تہے اگر ہمین یہ خیال نہ ہوتا کہ گنجایش کم ہے

غرض

یہہ بلائین یہہ مصیبتین یہہ اندوہناک موتین یہہ جنگ جدال جو سنہ ۱۹۰۱ء کو منحوس کہواتے مین

اے دانشمندو!

تمہارے لئے نشانِ میل ہین اور کسی آنیوالے کا پتہ دیتی ہین اور ہماری ہی بداعمالیون کی پاداش کے نتائج ہین -

مختصر یہ کہ یہہ واقعات کسی آنیوالے کا پتہ دیتے ہین اور خدا کا شکر ہے کہ ہمنے محض اسی

کے فضل سے اس آئینہ والے کو پایا اور شناخت کیا
اور جہاں ہمیں یہ واقعات یہ مصائب و مشکلات
ڈراتے ہیں وہاں ثم بدلنا مکان السیئۃ
الحسنۃ کی خوشگوار آواز روح کو مسرت بخشتی
ہے۔ بہرحال ایک مامور من اللہ ہم میں موجود
ہے۔ اس کی صداقت و شناخت کے منجملہ بہت
سے اسباب و علامات کے ایک یہ بھی ہے کہ اس
کا قدم پہلے سے بڑھ کر اٹھتا ہے اور وہ ہر آن
ایک نئی ترقی پاتا ہے وہ جلد جلد بڑھتا ہے اور ہر
قدم پر اسے آواز آتی ہے۔ وللآخرۃ خیر لک
من الاولی۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ سنہ ۱۹۰۱ء میں
سلسلہ عالیہ احمدیہ نے جو ترقیاں کی ہیں ان پر ایک
اجمالی نظر کریں۔ اور کوتہ اندیش مخالفوں کو دکھلائیں
کہ کیا کبھی مفتری اور کاذب بھی اس قسم کی کامیابیاں
حاصل کیا کرتا ہے؟

ان سب امور کو جدا جدا دکھانے کے واسطے
ہم مختلف عنوانوں کے تحت میں ان کامیابیوں
کو دکھاویں گے۔ انشاء اللہ العزیز

حضرت اقدس کی صحت حضرت حجۃ اللہ علی
الارض مسیح موعود کی صحت بفضلہ تعالیٰ تمام
گذشتہ سالوں کے مقابلہ میں بہت اعلیٰ درجہ کی
رہی۔ گو عام نظر میں یہ ایک معمولی بات ہو۔ مگر
ہم کہتے ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے
مامور ہونے کا مدعی ہو اور وہ حقیقت میں مامور نہ ہو
تو اللہ تعالیٰ اس کے کاروبار کو روک دیتا ہے
بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کو اس سال
میں زکام تک نہ ہوا ہو اور اس لحاظ سے وہ بہت
کچھ ناز کریں مگر حضرت اقدس کی صحت کو ہم ایسے
قابل لحاظ سمجھتے ہیں کہ آپکی صحت آپ کے کاروبار
میں کسی رکاوٹ کا پیدا نہ ہونا آپکی سچائی اور صداقت
کی دلیل ہے بمقابلہ مفتری علی اللہ کے۔

حضرت اقدس کی صحت نسبتاً پہلے سالوں کے مقابلہ
میں بہت اچھی رہی ہے اگرچہ بعض اوقات ان
عوارض کے جو آپ کو ہمیشہ سے لاحق ہیں
حملے بھی ہوئے مگر خدا کا کس قدر احسان ہے
کہ ان بیماریوں میں بھی آپ کا قلم ایک منٹ کیلیے
نہیں رکا۔ ہم دکھائیں گے کہ اعجازی تفسیر
انہیں ایام کا نتیجہ ہے۔

گویا صحت کو نسبتاً عمدہ رکھکر مولیٰ کریم نے یہ
دکھایا ہے کہ مفتری نہیں اور بیماریوں کے حملوں
میں اعجازی تالیفات سے ثابت کیا کہ خدا کی
تائید اسکے شامل حال ہے

یوں تو ہر نیا دن ایک نیا
تائیدی نشان نشان لے کر آتا ہے۔
ہر روز کی ڈاک میں آنے
والے خطوط۔ منی آرڈر۔ پارسل۔ بذریعہ
ریل آنے والے تحائف۔ اور ہر روز آنیوالے
مہمان جو دور دراز ملک کے حصوں سے
آتے ہیں
یاتیک من کل فج عمیق اور **یاتون من
کل فج عمیق** کی پیشگوئی کو ہر روز نئی شان
اور نئے رنگ میں پورا کرتے ہیں مگر اس کے
علاوہ شروع سال ہی سے تائیدی نشانوں کا
ظہور شروع ہوا۔ چنانچہ پہلا نشان
اعجاز المسیح ہے
(باقی آئندہ)

امتحان! امتحان!! امتحان!!!

حضرت اقدس کے ارشاد عالی کی تعمیل کے لیے عام
اعلان کیا جاتا ہے کہ عید اضحیٰ کی تقریب پر
حضرت اقدس اپنی جماعت کا امتحان لیں گے۔
جیسا کہ پہلے بھی ناظرین کو معلوم ہے۔ اسلیے
ہر ایک صاحب کا فرض ہے کہ وہ اپنا نام غرض
شمولیت امتحان خاکسار ایڈیٹر الحکم کے
پاس بھیجدے تاکہ فہرست امیدواران کی
مرتب ہو جاوے ہمیں تساہل سے کام نہ لیا
جاوے

ضروری اعلان

حضرت مولانا مولوی **سید محمد احسن**
صاحب امروہی سلسلہ عالیہ **احمدیہ** کے
واعظ مقرر ہوئے ہیں اور اسکا انتظام جناب
پیر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی کے سپرد ہوا ہے
اس لیے جن احباب کے پاس پیر صاحب موصوف
کے خطوط پہونچیں وہ بہت جلد انکا جواب دیں

سوال

**کیا آپ نے الحکم کی توسیع اشاعت
کی خیال کو بھلا دیا ہے؟**

مسیح موعود
برٹش گورنمنٹ اور ہمارے مخالف مسلمان

نمبر اول

ہم نے ہمیشہ سے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا
ہے کہ الحکم کے کالم حتی الوسع پولیٹیکل مضامین
کی پیچیدگیوں سے الگ رکھے جائیں اور
اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ احمدی قوم اور اس کا
مقدس بانی عرفی پولیٹیکل پیچیدگیوں سے بالکل
الگ تھلگ رہنا چاہتا ہے اور زیر بحث آئے ہوئے پولیٹیکل
معاملات اس کے اغراض و مقاصد سے
بالکل دور اور یکطرف ہیں۔ اسکی غرض و غایت
صرف یہ ہے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ پر
ایسا یقین اور ایمان پیدا ہو جاوے
جو گناہ کے کیڑوں کو ہلاک کر دے
اور پھر تمام غل و غش سینوں سے
نکال کر دنیا میں امن اور بہشت کی
زندگی پھیل جاوے یعنی جس شخص کی
بعثت کی اصل غرض یہ ہو جو اخلاق انسان
کی اصلاح اور تکمیل کے لیے آیا ہو اس کو
یا اس کی قوم کو پولیٹیکل معاملات سے
کیا تعلق اور کیا غرض !!! یہ ایک زبردست
وجہ ہے جس نے ہم کو پولیٹیکل مضامین
پر طبع آزمائیاں کرنے سے ہمیشہ روکا
اور ہم نے ہمیشہ ایسے مضامین شائع کیے
ہیں جو انسان کی اخلاقی اور روحانی بہتری
اور بھلائی پر مشتمل ہوں اور یہی الحکم کا موضوع
بھی ہے

لیکن

وہ امن اور صلحکاری جو مسیح موعود دنیا میں
پھیلانا چاہتا ہے اسکا تعلق چونکہ ایک
پہلو سے سلطنت کے ساتھ بھی ہے اسلیے
اس نے اپنی تعلیم میں یہ امر داخل کر لیا ہے کہ
گورنمنٹ برطانیہ کی سچی اطاعت کی جاوے
اور پوری وفاداری کے ساتھ اسکے احکام کی
تعمیل کیجاوے۔ اس سلسلہ کو اگر پولیٹیکل معاملات
سے تعلق ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ
رعایا کے تعلقات کو سلطنت کے
ساتھ زیادہ مضبوط اور مستحکم کرنا چاہتا
ہے۔ اور اس کے لیے بہترین طریق ہذہ

کثرت مضامین کیوجہ سے ہم مختصر نوٹ اور نکات اور بعض ضروری مضامین بھی درج نہیں کر سکے۔ خدا کرے کہ ہمیں الحکم کو اس سے ڈیوڑھی دگنی حجم پر شائع کرنیکا موقع ملے *

ہے پس وہ مذہبی ہی کی حیثیت میں ان تعلقات کو قائم کرتا ہے۔ اور اس قدر پولیٹیکل تعلقات کو بھی پولیٹیکل حیثیت سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ اس کے مذہب نے اسپر فرض کیا ہے کہ حکومت کی اطاعت کی جاوے گویا یہ بھی مذہب ہی کے رنگ میں ہے۔

غرض

یہ تعلقات اس قوم کو جو احمدی کہلاتی ہے اور اس کے مقدس بانی کو جو مرزا غلام احمد یا مسیح موعود یا مہدی مسعود کے نام سے اسوقت مشہور ہے پولیٹیکل معاملات سے ہیں اسلیے انکو قائم رکھنے اور انکی حفاظت کرنے کے واسطے جیسے اس کے مقدس بانی نے کوئی موقع تحریر یا تقریر کا جانے نہیں دیا ایسے ہی احمدی قوم کے خدمتگذار الحکم نے حتی الوسع اسپہلو پر حسب ضرورت بحث کی ہے

لیکن

اسوقت ہم ایک سلسلہ مضامین میں اس امر پر بحث کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہم مرزا صاحب کے دعاوی کے پولیٹیکل اثر پر بعض لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اسکی ضرورت ہمیں اس لیے پیش آئی ہے کہ بعض لوگ کچھ تو ناواقفیت اور جہالت سے اور کچھ شرارت اور بدنیتی سے ان دعاوی کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور قسم قسم کی افتراپردازیوں سے کام لیتے ہیں۔ اور جنکے ہاتھ میں قلم ہے انھوں نے اپنی آتشیں تحریروں کو اسی مقصد کے لیے رکھا ہوا ہے۔ اس لیے ہمیں ضرورت پڑی کہ کیوں اسپر بعض آرٹکل نہ لکھے جاویں اور ان غلط فہمیوں اور افتراپردازیوں سے بنائے ہوئے بت کو نہ توڑا جاوے جنکو قائم رہنے کی صورت میں بہت سی نقصانات پیدا ہونے کا احتمال ہے

ہم اس امر کا پہلے سے عذر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اس سلسلہ مضامین میں اپنی مخالف مسلمانوں کے بعض غلط اور بیہودہ عقائد پر جو اسی مضمون کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں لکھنا پڑیگا۔ اسی لیے ہم پہلے سے کہہ دیتے ہیں کہ ہماری غرض یہ نہیں ہوگی کہ ہم ان کے نقش قدم پر چلکر گورنمنٹ سے انکو بدظن کرنے کے لیے ایسا لکھیں گے بلکہ ہماری غرض ان بیہودہ خیالات کی اصلاح ہوگی جنکو رکھتے ہوئے اسلام پر بھی حملے ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ خیالات ہیں جنکو پڑھ کر بعض ناتجربہ کار انگریزوں کو اپنی تصنیفات میں یہ رائے پولیٹیکل حیثیت سے ظاہر کرنی پڑی ہے جسکو ہم ہمیشہ نہایت ہی ناگوار اور کریہ الفاظ میں سنتے ہیں کہ مسلمان غیر اسلامی حکومت کو پسند نہیں کرتے اور رعایا کے طور پر سچے وفادار نہیں۔ اگرچہ عملی طور پر مسلمانوں نے کبھی اس خیال کو ظاہر نہیں کیا ہے۔ لیکن اس میں کسی کو کلام نہیں کہ یہ عام بدظنی بعض حلقوں میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے عقائد کا غلط مفہوم سمجھکر کی ہی جاتی رہی ہے۔

اور ہم یہ بھی بلند آواز سے کہتے ہیں کہ حقیقت میں یہ خود مسلمانوں کا اپنا قصور ہے کہ انھوں نے اسکی اصلاح نہیں کی۔ اور ان غلط بیانیوں اور غلط خیالات کو جو خدا تعالے کی سچی تعلیم کے مفہوم سے بالکل دور اور الگ تھے دور کرنے کی کوشش نہیں کی اور سچ تو یہ ہے کہ کسی مولوی ملا یا گوشہ نشین صوفی کا کام نہ تھا کہ وہ ان غلط بیانیوں کی حقیقت کو کھولکر رکھدیتا جو فیج اعوج کے زمانہ میں پیدا ہو چکی تھیں معاملہ اس زمانہ تک تو ہر کہ آمد براں مزید کرد ہی کا مصداق ہوتا رہا ہے اور مسلمانوں کو اس اصل مرکز کی طرف آنے کا موقع نہ ملا جو خدا نے قائم کیا تھا

لیکن

اب جو خدا تعالے نے ایک آسمانی سلسلہ قائم کیا اور جناب مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو مبعوث کیا اور اس نے آکر ان بیہودہ اور غلط خیالات کی اصلاح کے لیے قلم اٹھایا تو مسلمان اپنے خواب سے چونک پڑے اور اپنے خیر خواہ اور حقیقی ہمدرد ہی سے بگڑ بیٹھے اور پھر اسکی مخالفت میں حد سے تجاوز کر گئے

حضرت مرزا صاحب کی بعثت چونکہ مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری کے لیے تھی۔ اور اسلام کی سچائی اور جلال کے اظہار کے لیے انھوں نے جہاں ایک طرف ان الزاموں اور اعتراضوں کو دور کیا جو نادان پادریوں۔ آریوں۔ برہموں یا دوسرے مذہب والوں نے اسلام پر کیے تھے وہاں انہوں نے اس امر کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا ہے کہ اسلام اور اس کے ماننے والوں کو ان انگریز مصنفوں کے اعتراضوں اور بدظنیوں سے پاک کریں جو انھوں نے مسلمانوں کے تعلقات گورنمنٹ انگلشیہ پر کیے ہیں اور جنھوں نے ہمیشہ مسلمانوں کی طرف سے گورنمنٹ کو بدظن کر دیا

ہم جانتے ہیں کہ ممکن ہے گورنمنٹ پر ان الزاموں کا کبھی کچھ اثر نہ ہوا ہو۔ یا مسلمانوں نے اس مضرت کو محسوس نہ کیا ہو جو ایسی تحریروں سے پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر حضرت مامور نے کبھی پسند نہیں کیا کہ اسلام کے چہرہ پر کوئی بدنما داغ پڑا رہنے دیا جاوے۔

اسی بنا پر انہوں نے اس پولیٹیکل معاملہ پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ ہم یہ دکھائیں گے کہ حضرت موعود کی غرض اس معاملہ پر قلم اٹھانے سے صرف یہ تھی کہ یہ ثابت کرکے دکھایا جاوے کہ ایک مسلمان جسقدر الفت اور محبت اپنے مذہب کے ساتھ رکھتا ہے اور جس سرگرمی اور جوش سے اپنے مذہب کی حفاظت وہ کرتا ہے اسی قدر پیار اور محبت اسکو اس گورنمنٹ کے ساتھ ہوتا ہے جسکے عہد حکومت میں اسکا پیارا مذہب محفوظ اور مامون ہے اور یہ محبت اور یہ پیار ایک فرض مذہبی کے رنگ میں ہوتا ہے جسکی پابندی اس کے لیے اسی طرح لازم ہے جیسے صوم و صلوۃ اور دیگر احکام الہیہ کی۔

یہ نمونہ ہم علانیہ کہتے ہیں زور اور دعوی سے کہتے ہیں کہ بجز حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے وجود اور آپ کی جماعت کے دوسری جگہ ہرگز نظر نہ آئے گا

غرض

مسلمانوں کی اپنی کمزوری اور اصل عقائد کو چھوڑ کر بیہودہ اور خود تراشیدہ خیالات کے تتبع نے نادان قصوں کو موقع دیا کہ وہ مسلمانوں سے عام طور پر بدظن ہوں اس بدظنی کے دور کرنے کے لیے اگرچہ بعض لوگوں نے اپنے طور پر کسی حد تک کوشش کی اور گو انکی کوشش کسی حد تک نتیجہ خیز بھی ہوئی ہو مگر ہم اس کوشش کو کوئی وقعت نہیں دے سکتے اس لیے کہ ان لوگوں نے اپنی کوشش کا پہلو اسلام سے الگ ہو کر اختیار کیا۔ اور یوں گویا دوسرے معترضین یہ قبول کر لیا کہ اگر اسلام میں یہ مسائل اور معتقدات ہوں تو حقیقت میں خطرناک ہیں۔ اس لیے ایک سچے مسلمان کی نظر میں ایسی مساعی جو عارضی موثر ہوں قابل وقعت نہیں ہو سکتی ہیں۔ حقیقی امر

انداز جو کوشش ہو سکتی ہے اور ہوئی ہے
اور ہوگی وہ اسی پہلو پر ہوگی جو ہمارے سید مولانا
جناب مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود
کے آنے سے ظاہر ہوا ہے۔

چونکہ یہ مضمون بجائے خود ایک تفصیل
طلب ہے اس لیے ہم نے یہاں تک مختصر طور پر یہ
بیان کرنا ضروری سمجھا کہ کیونکر مسلمانوں پر مصیبتیں
کی گئیں ہیں۔ ان مصائب کے رفع کرنے کا مسلمانوں
نے کیا پہلو اختیار کیا اور حضرت اقدس مرزا
صاحب نے کیا کرنا چاہا۔ اب ہم آگے چلتے ہیں
جب یہ حالت تھی تو خدا تعالیٰ کے ایما
اور الہام سے حضرت مرزا صاحب ۱۸۸۴ء
کے قریب قریب مسلمانوں کی دینی بھلائی کے
لیے مبعوث ہوئے۔ اور دنیا کا جہاں تک
تعلق دین سے تھا اسکی اصلاح بھی آپکی
بعثت کی غرض قرار پائی۔ آپ کے اس
دعوی الہام وتجدید کو سنکر دو گروہ ہو گئے۔
ایک تو علما کا گروہ دوسرے دنیاداروں کا
گروہ جنہوں نے ان مسائل و معتقدات سے
الگ رہ کر جو ناواقف انگریز مصنفوں کی
تحریروں کی باعث موجب بدظنی تھی مسلمانوں کی
دنیوی فلاح کا ٹھیکہ اٹھا لیا تھا۔ اول الذکر
گروہ تو اس لیے مخالف ہوا کہ وہ مذہبی حیثیت
سے مغلوب تھے اور انہیں کسی ایک پر تھا
قوت و مقدرت نہ تھی کہ مرزا صاحب کے سامنے
میدان میں آتے۔ اور خود چونکہ وہ ان صفات
حسنہ سے موصوف نہ تھے جو مرزا صاحب میں
پائی جاتی تھیں اس لیے انہوں نے اپنی دکانوں
کی بے رونقی اور اپنی سرد بازاری دیکھ کر مخالفت
شروع کر دی۔

آخر الذکر لوگوں نے بھی مخالفت کو گو عام تو
نہیں کیا مگر انہوں نے انشراح اور خوشی کے
ساتھ اس خدا کے مقرر کردہ ریفارمر کو
خیر مقدم بھی نہ کہا بلکہ جب کبھی انکی مجلسوں میں
ذکر آیا تو انہوں نے نہ صرف ہنسی
اور مذاق میں ہی اڑانا چاہا بلکہ اپنی خیالی رفاہ
اور ریفارمیشن کے اسے خلاف پایا اور اپنے کرم
اور دھندلی راؤں سے اپنے طبقوں میں
یہ کہنا شروع کیا کہ اس قسم کے دعووں سے
مسلمانان ہند کی پولیٹیکل ترقیوں میں بعض
رکاوٹیں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔
غرض اس قسم کی مخالفت اور غلط فہمیوں نے
جو جہلا اور سفہا کے طبقہ سے نکل کر نیچریاں خویش
ریفارمروں اور مصلحان قوم کے زمرہ میں
پہونچے ہیں اور انہوں نے اپنی جہالت اور
ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ شرارت
اور شیطنت کی راہ سے انہیں قسم قسم کے
رنگ دیے ہیں ہمکو مجبور کیا ہے کہ ہم اس پر
بحث کریں۔ مخالف مسلمانوں کو تو یہ کہنا تھا
کہ تمہارے پولیٹیکل حقوق کی حفاظت اور
تمہارا اور تمہارے اسلام پر سے پولیٹیکل
بدظنیوں کے دور کرنے اور تمہاری وفاداری
مداری اور بہبودی کے اثر کو رفع کرنیکیلیے
(جو ایک ناواقف انگریز مصنفوں کی
تحریروں سے پیدا ہو جانے کا احتمال رکھتا
ہے جبکہ آئے دن کوئی نہ کوئی ایسی تحریر
شائع ہو جاتی ہے) حضرت اقدس
مرزا غلام احمد صاحب ہی کی ذات ہے
اسلیے وہ اسکو اختیار کریں۔ اور گورنمنٹ
کو بجائے خود یہ بتائیں کہ حضرت اقدس
اور آپ کی جماعت ہی ایک ایسی
قوم ہے جو گورنمنٹ کی مذہبی
رنگ میں سچی وفادار اور فرماں
پذیر ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب نے گذشتہ
۲۵ سال کے اندر عملی طور پر گورنمنٹ کی
وفاداری اور اطاعت کی تعلیم کے پھیلانے
میں جسقدر کوشش کی ہے اسکی نظیر نہیں
ملتی اور جس کے ضمن میں ہم یہ بھی کہنا
چاہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کے دعاوی
(جو مسلمانوں کی اپنی کمزوری اور بدقسمتی سے
غلط مفہوم کے وجہ سے خوفناک قرار دیئے گئے
ہیں) ہم بجائے خود ایسے ہیں جنہوں نے
مسلمانوں کے تعلقات کو گورنمنٹ کے ساتھ
بہت ہی مضبوط کرنا چاہا ہے۔ اور یہ دعاوی
ہرگز ہرگز اپنے اندر کوئی بھیانک چیز نہیں رکھتے
اور جن لوگوں نے ایسے دعاوی پر کان کھڑے
کیے ہیں انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے کہ انکی
حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اور اگر کوئی مسلمان
اب بھی اس حقیقت کو ماننے سے انکار کرتا ہے
جو مرزا صاحب نے بیان کی ہے تو پھر ہم اسکی
نسبت یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس کے
خیالات گورنمنٹ کے لیے ضرور قابل لحاظ
ہیں۔ پس یہ اہم پہلو ہے جو اس مضمون میں ہمکو بحث
کرنی ہے۔

(باقی دوسرے نمبر میں)

تلاوت قرآن کریم کیلیے اشارات

اس عنوان کے تحت میں انشاء اللہ العزیز مسلسل
طور پر قرآن کریم کے سمجھنے کے لیے بعض مشکلات
الفاظ یا آیتوں کے معنی دیے جاویں گے
جو حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب
سلمہ ربہ کے درس سے نوٹ کیے جاتے ہیں
جسطریق پر اس سے پہلے الحکم میں قرآن
کریم پر لطیف نوٹ لکھے جانے کا سلسلہ
شروع کیا گیا تھا اسطرز پر گنجائیش بہت
ہی کم ہے اس لیے یہ طریق اختیار کیا جاتا ہے
ہاں جہاں کہیں مزید تشریح کی ضرورت ہوگی
وہاں مفصل بحث بھی کر دی جاویگی ورنہ اختصار
ملحوظ رہے گا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۰۱ء سے ہم اس
سلسلہ کو شروع کرتے ہیں۔ جیدن سے کہ درس
میں اٹھارہواں سیپارہ شروع ہوا ہے۔
اگلی اشاعت سے ہم پورا صفحہ اس مضمون کیلیے
رکھیں گے انشاء اللہ العزیز۔ (ایڈیٹر)

سورۃ المؤمنون

پارہ نمبر ۱۸

۳۱ دسمبر ۱۹۰۱ء ۔ رکوع اول

افلح دشمنوں پر مظفر و منصور ہوا۔ ۱۔ با
مراد ہوا۔

خاشعون نماز میں نماز کے سوا کسی کام میں نگے ہوئے
اس میں تین چیزیں ہوتی ہیں
(الف) السکون جسکے معنی ہیں ترک العبث
(ب) التواضع۔ عظمت اور خشیت الٰہی سے
متواضع بنا۔
(ج) الخوف۔ اللہ کی عظمت اور جبروت کو یاد کر کے ڈرنا

زکوٰۃ۔ ایک سال کے بعد اپنے مال
میں سے ۱/۴۰ حصہ خدا کی راہ میں دینا۔ ۲ ہر شے
جو خدا نے عطا فرمائی ہے جیسے ہاتھ پاؤں اور
دیگر اعضا و قویٰ۔ علوم۔ مال دولت وغیرہ
اسکو مخلوق الٰہی کی ہمدردی اور نفع رسانی
کے لیے خرچ کرنا۔ ۳۔ زیور میں زکوٰۃ جو
جو ہر سال دینی پڑتی ہے۔

فروج جمع - اپنے سوراخ (آنکھ، کان، ناک، پیشاب گاہ)

امانت - ۱۔ کسی حاکم کے ماتحت رعایا ہو تو حاکم کو رعایا کی بہتری و بھلائی کا ملحوظ خاطر ہونا - عدل و انصاف انکی جان و مال و آبرو کی حفاظت - رعایا کو بھی وفاداری اور اطاعت ضروری ہے اور یہ امانت میں داخل ہے

۲۔ افسروں کو اپنے ماتحتوں سے نیک سلوک ماتحتوں کو اپنے فرائض کی پوری بجا آوری۔

۳۔ میونسپلٹی یا ایسے کے انتخاب کیوقت جو لائق ہوں انکو منتخب کرنا۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا۔

۴۔ شریعت الٰہی کے معنی بھی ہیں انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض

حفاظت الصلوٰۃ - وقت پر۔ جماعت کے ساتھ معانی کے لحاظ و طمانیت اور عدل کے ساتھ نماز پڑھنا نماز کی محافظت ہے۔ **غطاً** ما۔ بچا۔

سبع طرائق - ستاروں کی سات قسمیں ہیں اور یہ قطب شمالی سے چھوٹے بڑے اس کے برابر کے ستارے وغیرہ۔ **شجرۃ** - کیکر کا درخت

صبغ - سالن۔ **الدھن** - چکنائی۔

استفسارات اور انکے جواب

اس اشاعت سے یہ سلسلہ بھی الحکم میں شروع کیا جاتا ہے ناظرین الحکم جس قسم کے سوالات بھیجیں گے انکے جواب جتی الوسع شائع ہوتے رہینگے

ا۔ (ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم) مکذب کا جنازہ مکذب امام کے پیچھے پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں۔ **جواب** نماز جنازہ حقیقت میں ایک دعا ہے جو کی جاتی ہے لیکن جو شخص بالجہر مکذب ہو اور گالیاں دیتا اور تکفیر کرتا ہے پھر مومن کی غیرت کیونکر تقاضا کرسکتی ہے کہ وہ انکے پاس جاوے۔ اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ ایک فعل لغو ہوگا حالانکہ مومن کی شان ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ جبحال کہ مکذب ہماری دعا کو بیہودہ سمجھتے ہیں پھر کیا غرض ہے کہ انکے جنازہ میں ہم شریک ہوں۔ اور اس کا امتحان کہ وہ ہماری دعا کو مفید نہیں سمجھتے یوں ہوسکتا ہے کہ اگر ان سے کہا جاوے کہ آؤ ہم جنازہ کی نماز پڑھا دیتے ہیں تو وہ کبھی نہ مانیں گے

پھر جسحال میں انکی طرف سے یہ تشدد ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے جو خواہ نخواہ انکے ساتھ شریک ہوں ہاں اگر میت مجھوب الاحوال ہو اور جہری دشمن نہ ہو۔ اس نے کبھی علانیہ تکفیر یا تکذیب نکی ہو تو کچھ ڈر نہیں۔ اسکا جنازہ اگر پڑھ لیا جاوے۔ آنحضرت نے ایک منافق کا جنازہ پڑھا ہے مگر وہ آپکے لشکر میں ملا جلا تھا۔ جہری مکذب نتھا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا اسوہ یہی ہے کہ جب تک کچھ تصدیق کی بو ہو۔ جہری مکذب نہو ورنہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ ابوجہل کا جنازہ آپنے پڑھا ہو یا ابوطالب ہی کا پڑھا ہو۔

صریح مکذب اور جہری مخالف اگر اسی پر مرے تو ان کے تعلقات کی کیا پروا ہو۔ جیسے آنحضرت نے ودوالو تدھن سے گذارہ نہیں کیا ہم بھی نہیں کرسکتے۔ چند روزہ دنیا کے لیے ہم دین نہیں چھوڑ سکتے۔

جو غفلت کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ اور ہیں مگر جو کافر کہتے ہیں اور تکذیب میں تند کیا اور نشانہ بنگے انکا جنازہ پڑھنا یا انکے ساتھ ملکر پڑھنا صریح مخالفت کرنا ہے۔

آریہ سماج لاہور - اگر مرزا صاحب کوئی بیّن نشان دکھائیں تو ہم ماننے کو طیار ہیں۔ بیّن نشان ایسے ہوں جیسے ہم کہیں۔

جواب - بیّن نشان وہ ہوتا ہے جس کا مخالف مقابلہ نہ کرسکے اور انسانی طاقتوں سے وہ بالاتر ہو۔ ہم کوئی قید اور شرط نہیں لگا سکتے کہ فلاں نشان ہم دکھائیں گے مگر ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا **نشان** ہم خدا کے فضل سے دکھا سکتے ہیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو اور دوسرے اسکی مثال سے عاجز آئیں۔ اقتراحی نشانات کا ہم دعوی نہیں کرتے۔ اللہ تعالی نے اس سے منع فرمایا ہے یہ تو سوء ادب ہے خدا تعالی پر کسی کا کیا حق ہے؟ جو چاہے وہ نشان دے ہم کوئی تخصیص کبھی نہیں کرسکتے۔ نشان دکھانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے **انما الآیات عند اللہ** اللہ تعالی فرماتا ہے **فلا تکونن من الجاھلین** ہم سنت اللہ سے واقف ہوکر اور شان الوہیت کے ادب کو جانکر اقتراحی نشانوں کا دعوی کیونکر کرسکتے ہیں؟ ہم اس کے جواب میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے سید و مقتدا نبی کریم صلعم نے فرمایا **سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا**

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالے سب کو نشان دکھاتا ہے مگر بالکل قیامت ہی بنانا نہیں چاہتا کہ پردہ برانداز معاملہ ہو جاوے۔ اگر ایسا بیّن ہو کہ ہر ایک شخص اسے مان لے تو پھر ایمان کی حقیقت ہی کیا رہی۔ بیّن تو ہوتا ہے مگر حسن ظن والا سعید الفطرت اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ایک شقی اسپر طرح طرح کے اعتراض کرتا ہے۔ اگر کوئی ہیچ پر ایمان لاوے تو بتاؤ یہ ایمان اسکو کیا نفع دے گا۔ نشانات کسی نہ کسی پہلو میں خفا کا ایک رنگ ضرور رکھتے ہیں اور ان کا بیّن ہونا یہی ہوتا ہے کہ دوسرے اس سے عاجز ہوتے ہیں اور اسکو ہم **اعجاز** کہتے ہیں اگر کوئی اور بھی انکی نظیر دکھا سکے تو وہ اعجاز نہ ہوگا۔ بہر حال اقتراحی نشانوں کے لیے ہم نے کبھی دعوی نہیں کیا اور ہم خدا کو ماکر کبھی ایسا دعوی کر ہی نہیں سکتے جو سوء ادب ہو۔ ہاں ہمکو اپنے خدا پر یہ کامل یقین ہے کہ وہ سچائی کے اظہار کو **اسلام** کی نصرت کیلیے نشان دکھاتا ہے ہمیں افسوس ہے آریہ لوگ جدید درخواست نشان بینی کی کیوں کرتے ہیں کیا پنڈت لیکھرام والا نشان انکے واسطے بیّن نہیں پہلے وہ یہی فیصلہ کرلیں کہ کیا ایک شخص کی مقدرت میں یہ امر ہوسکتا ہے کہ وہ چھ سال پہلے قطعی اور یقینی طور پر ایک شخص کو بوقت موت صورت موت کی خبر دے۔ اور پھر اسیطرح پوری ہو جاوے۔ لیکھرام والی پیشگوئی دو چار منصفوں کے سامنے پیش کرلیں کہ وہ کیا فیصلہ دیتے ہیں۔ ایسی عظیم الشان پیشگوئی ہے جسکے گواہ کروڑوں انسان ہیں۔ جنمیں ہندو مسلمان عیسائی ہر مذہب کے لوگ ہیں اور اسکے علاوہ ہمارے اور بہت سے مشہور نشانات جنکی تعداد دو سو تک ہے انکی نظیر دکھاویں پھر بھی اگر تسلی نہو تو بیشک حق ہے کہ ہم سے کوئی نیا نشان مانگیں لیکن ایک طالب حق کی شان سے یہ بالکل خلاف ہے کہ وہ خود تجویز کرے کہ یہ نشان ہو خدا تعالی جو چاہے سو ظاہر کرے اور ہم یہ دعوی سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی صدق دل سے حق جوئی کی غرض سے دو مہینے بھی ہمارے پاس رہے تو وہ کوئی نہ کوئی نشان ضرور دیکھ لیگا۔ مگر درست اسکا یہی جواب ہے لیکن عنقریب انگریزی میگزین میں دعا اور معجزہ پر ایک آرٹیکل شائع ہوگا جسمیں اور بھی وضاحت سے اس قسم کے سوالوں کا جواب آجاوے گا۔

دار الامان

۱۔ حضرت اقدس مسیح الخیر ہیں۔ ۲۔ اتوار کو سیالکوٹ

ناظرین سے دو تین منٹ

توسیع اشاعت الحکم کا سوال کچھ کمزور سوال نہیں ہے قوم جسقدر سعی اور کوشش اسکی کثرت اشاعت کے لئے کریگی اسیقدر سہولتیں ہم کو اسکی حجم کی ترقی اور کمی قیمت میں پیدا ہونگی

ہم منشی عزیز الرحمن صاحب کپورتھلہ کی اس محنت اور سعی کے لئے جزاہ اللہ احسن الجزا کہتے ہیں جو وہ الحکم کی توسیع اشاعت کی خاطر کر رہے ہیں اب تک منشی صاحب موصوف قریباً سات کے خریدار دے چکے ہیں اور ابھی کمربستہ ہیں کیا دوسرے احباب انکے نقش قدم پر نہ چلیں گے

ایسا ہی ہم منشی غلام نبی صاحب اوورسیر افریقہ کو شکر گذار ہیں جنہوں نے دو خریداروں کو نام آپ قیمت دیکر الحکم جاری کرایا ہے

جناب مولانا مولوی سید عبدالرحیم صاحب [illegible] بھی کچھ کم شکریہ کے مستحق نہیں جو جنوبی ہندوستان میں الحکم کی توسیع اشاعت کے لئے بہت کوشش کر رہے ہیں خدا تعالے ان کا مددگار ہو اور ان کے ارادوں میں برکت دے مولوی صاحب موصوف نے بنگلور میں ایک زمرہ احمدیہ نام مجلس قائم کی ہے جسکے ذریعہ سلسلہ عالیہ کی تبلیغ کا کام خوب زور سے ہو رہا ہے

جناب میاں محمد یوسف خان صاحب مہتمم باورچی خانہ مہاراجہ صاحب بہادر کپورتھلہ جو ایک مخیر آدمی ہیں اور ہمیشہ اپنے مال کو دینی کاموں میں حتی الوسع صرف کرتے رہتے ہیں خدا تعالے کے فضل سے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہو گئے ہیں ہم کو ان کی ذات سے امید ہے کہ وہ مدرسہ تعلیم الاسلام اور لنگر خانہ کی امداد میں معقول حصہ لیں گے۔

امسال جو وہ کلکتہ گئے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہاں اپنے ملنے والوں سے وہ حضرت اقدس کے سلسلے کی تبلیغ کرتے رہے ہیں چنانچہ بیعت کے سلسلہ میں جو کسی اگلی اشاعت میں شروع ہوگا تمکو بھی معلوم ہو جائے گا۔

جن احباب کے ذمہ سالگذشتہ یا اس سے پہلے کے بقایا ہیں وہ اس نوٹ کو پڑھ کر بہت جلد بھیجدیں۔ ورنہ ہم کو بذریعہ ویلیو پی وصول کرنے کا ہر وقت اختیار ہوگا اور واپس کرنے پر معاً ہم ان کا اسم گرامی نادہندوں کی فہرست میں چھاپنے پر مجبور ہونگے۔ ہم صاف کہتے ہیں کہ کوئی شخص جو اخبار لیکر اس کی قیمت دینا نہیں چاہتا اسکے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ خریدار ہو کر ایک قومی اور دینی خادم کو نقصان نہ پہونچائے۔

افریقہ کی جماعت کی خدمت

ضروری التماس

ہم برادران افریقہ کو اطلاع دیتے ہیں کہ وہ اس تحریر کو پڑھ کر فی الفور اپنے بقایا سالگذشتہ اور سال رواں کی قیمت بحساب چھ روپیہ اگر وہ عام قیمت دینا چاہتے ہیں یا بحساب عـہ اگر خواص اور معاونین کی صورت میں قیمت دینا چاہیں بھیجدیں۔ اور آئندہ کے لئے وہ یہ التزام نہ کریں کہ کسی ہندوستان کو آنے والے بھائی کا انتظار کریں کہ کوئی جانیوالا ہو تو اسی قیمت دیجاوے اس طریق سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے اور ٹھیک وقت پر روپیہ نہ پہونچنے کیوجہ سے نقصان ہی ہوتا ہے۔

حضرت اقدس کا ایک خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محبی عزیزی اخویم سید فضل شاہ صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔ افسوس! کہ اسوقت میں بباعث دردسر جو بوجہ گرمی ہو گئی ہے۔ حاضر نہیں ہو سکا۔ آپنے جو چند کلمات نصیحت کے لئے لکھے ہیں اسیقدر کافی ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے رب کریم قادر قیوم کے احکام کو یاد رکھیں اور وہ یہہ کہ نماز پنجگانہ دلی خلوص سے ادا کریں ہمیشہ نماز میں بعض دعائیں اپنی پنجابی زبان میں کر لیا کریں اور نماز میں اپنی زبان میں بہت دعا کیا کریں۔

جہانتک ممکن ہو نماز تہجد کا بھی التزام رکھیں۔ اور اس میں بھی اپنی زبان پنجابی میں دعا کیا کریں موت کو یاد رکھیں کہ یہہ موت جب آتی ہے تو باز کیطرح ایک پوشیدہ جگہ سے اپنا شکار بنا لیتی ہے جہانتک ممکن ہو ہمیشہ کوشش کریں کہ جلد جلد اس جگہ آیا کریں کہ جس طرح ہر ایک چیز فانی ہے اسی طرح ہمارے وجود کی بھی حالت ہے ایک وقت آنیوالا ہے کہ ہمارا وجود اور یہہ ہماری مجلسیں خواب و خیال کیطرح ہو جائینگی۔ اور لازم ہے کہ بد صحبت سے پرہیز کریں اور دل کو گناہ کے منصوبوں سے پاک رکھیں کہ بدقسمت وہ انسان اور بدبخت ہے وہ آدمی جسکا دل ہمیشہ گناہ کے منصوبے سوچتا ہے آپ کو دنیا کے شغل میں کئی ابتلا پیش آئینگے ہر ایک ابتلا میں خدا پر بھروسہ کریں نہ عمدہ حالت کسی تکبر کا موجب ہو اور نہ کسی تنگی کی حالت میں بے صبر ہو سکے باتیں بہت ہیں مگر بالفعل اسیپر اکتفا کرتا ہوں کہ خدا کا خوف اور اس کی مخلوق سے ہمدردی اور اپنی بیوی اور اہل سے طریق رحمت اور درگذر اور اولاد کو دین کی رغبت دینا اور بھائی کے ساتھ حلم اور خلق سے سلوک اور غفلت ترک کرنا اور عام لوگوں کیساتھ حتی المقدور بھلائی اور ترک شر سے پیش آنا اور اپنے خدا اور اس کے رسول کو سب پر مقدم رکھنا اور چالیس دن میں سے ایک مرتبہ خدا تعالیٰ کے خوف سے رونا یہی طریق سعادت ہے خدا تعالے توفیق بخشے مجھے اسوقت سردرد ہے طاقت حاضری مسجد نہیں اسی جگہ دونو نمازیں پڑھونگا اسلئے دعا مطلوبہ اور ایک کرتہ اور یہہ نصیحت نامہ ارسال ہے۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد ۶ جولائی ۱۹۰۲ء

اپنی جماعت کے جوانوں سے خطاب

ہماری جماعت میں جو جوان ہیں وہ خوب یاد رکھیں کہ عمر جلد جلد گذرتی جاتی ہے اور ہر ایک سانس موت کے قریب اور قبر کے نزدیک کرتا جاتا ہے جوانی میں بہت سے جذبات اور جوش نازک حالتیں بیماریاں لیکر آتی ہیں ہم نے جوانی کے جوش کو خدا کے فضل سے نہیں دیکھا مگر اسکا علم خدا نے دیا ہے اسلئے

کلمات طیبات حضرت امام الزمان سلمہ الرحمان

(سلسلے کے لئے دیکھو نمبر ۱ جلد ۶)

کیونکہ سوال کرنا بھی ایک قسم کا علم پیدا کرنا ہوتا ہے السوال نصف العلم مشہور ہے۔ پس میں اسکو بھی غنیمت سمجھتا ہوں کہ کسی کے دل میں امر حق کے متعلق سوال کرنے کی تحریک پیدا ہو جاوے یقیناً یاد رکھو۔ کہ سچی معرفت ہر ایک طالب حق کو جو مستقل مزاجی سے اس راہ میں قدم رکھتا ہے مل سکتی ہے یہ کسی کے لئے خاص نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جو غفلت کرتا ہے اور صدق نیت سے اس کی جستجو نہیں کرتا اسکا کوئی حصہ نہیں ہے ورنہ خدا تعالےٰ تو ہر ایک انسان کو اپنی معرفت کے رنگ سے رنگین کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے اور اسی لئے فرمایا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جن لوگوں نے ایک عورت کے بچے کو یا یوں کہو کہ انسان کو خدا بنایا ہے انہوں نے نہ خدا کو سمجھا ہے اور نہ انسان ہی کی حقیقت پر غور کی ہے۔

انسان کیا ہے؟ وہ گویا کل مخلوقات الہیہ کی ایک مجموعی صورت ہے جسقدر مخلوق دنیا میں جیسے بھیڑ بکری۔ وغیرہ موجود ہے یہ سب انسانی قوے کی انفرادی صورتیں ہیں۔

جیسے ایک مصنف جب کوئی کتاب لکھنی چاہتا ہے تو پہلے متفرق نوٹ ہوتے ہیں پھر ان کو ترتیب دیکر ایک کتاب کی صورت میں لے آتا ہے اسیطرح پر کل مخلوقات انسانی قوے کے خاکے ہیں۔ گویا یہ عملی صورت بتاتی ہے کہ انسان اعلیٰ قوے لے کر آیا ہے پس عیسائی مذہب انسانی قوے کی توہین کرتا ہے اور ان کی تکمیل اور نشوونما کے لئے ایک خطرناک روک پیدا کر دیتا ہے جب کہ وہ انسان کو خدا بنا کر اس کے خون پر نجات کا انحصار رکھدیتا ہے۔

پس میں جو بات آپ کو پہونچانا چاہتا تھا وہ یہی ہے کہ میں انسان کو **گناہ سے بچنے** کا حقیقی ذریعہ بتاتا ہوں اور خدا تعالےٰ پر سچا ایمان پیدا کرنے کی راہ دکھاتا ہوں۔ یہی میرا مقصد ہے۔ جس کو لے کر میں دنیا میں آیا ہوں میری دلی خواہش ہے کہ آپ اس کو سمجھ لیں۔ اور خوب غور سے سمجھ لیں تاکہ جہاں کہیں آپ جائیں اور اپنے دوستوں میں بیٹھکر اپنے سفر کے عجائبات سنائیں وہاں ان کو یہ باتیں بھی بتائیں جو میں نے آپ کو سنائی ہیں۔

اس ساری تقریر کو پھر ہمارے مکرم بھائی مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے فصیح انگریزی میں بیان کیا۔ اور اپنے طرز طرز پر اسکو واضح کر کے صاحب موصوف کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی۔ جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکے تو مسٹر ڈکسن نے کہا

مسٹر ڈکسن۔ میں نے آپ کا معاملہ سمجھ لیا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں کہیں میں جاؤں گا۔ میں یورو پین لوگوں میں اسکا تذکرہ کرونگا۔

حضرت اقدس۔ ہم نے تو آپ کا چہرہ دیکھکر ہی سمجھ لیا تھا کہ آپ میں انصاف ہے۔ ہماری دلی آرزو یہی تھی کہ آپ کچھ دنوں ہمارے پاس رہ جاتے تاکہ ہمیں پورا موقع ملتا کہ اپنے اصول آپکو سمجھائیں اور آپ کو بھی غور کرنے اور بار بار پوچھنے کا موقع ملتا۔ مگر تاہم ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ کی غور کرنے والی طبیعت ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھائے گی۔ انسان کے اعلےٰ درجہ کے اخلاق کا نمونہ یہی ہے کہ وہ راستی کے قبول کرنیکے لیے ہر وقت طیار رہے بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ انسان محض ماں باپ کی تقلید کی وجہ سے باوجودیکہ صریح نقص دیکھتا ہے نہیں چھوڑتا لیکن جو شخص سچے اخلاق اور اخلاقی جرأت سے حصہ رکھتا ہے وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ وہ صرف راستی کا خواہشمند ہوتا ہے۔

بچپن میں دو قوتیں بڑی تیز ہوتی ہیں اول ہر ایک چیز اندر چلی جاتی ہے دوم خوب یاد رہتی ہے۔ بچہ کبھی دلائل نہیں پوچھتا کہ کیوں یہ بات ہے۔ مگر اصل شجاعت یہی ہے کہ ان باتوں کو جو شیر مادر کیطرح پیتا ہے جبا سے معلوم ہو جاوے کہ انہیں حقیقت و معرفت کا رنگ اور قوت نہیں ہے تو انھیں چھوڑنے کے لیے فی الفور طیار ہو جاوے تمام قوی کا بادشاہ انصاف ہے اگر یہ قوت ہی انسان میں مفقود ہے تو پھر سب سے محروم ہونا پڑتا ہے۔

انسان دنیا میں اس لیے نہیں آیا کہ وہ باطل کا ذخیرہ جمع کرے بلکہ اسے حقیقت شناس اور حق پرست ہونا چاہیے۔

دنیا میں چونکہ باطل بھی ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ باطل پرست اسے سچ سے بھی زیادہ چمکدار دکھانا چاہیں مگر دانشمند کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ اسکو لازم ہے کہ سچائی کو پورے طور پر پرکھے اور پھر قبول کرے میرے نزدیک عام مذاہب کا اسوقت یہ حال ہے کہ گویا کل مذاہب کا ایک میدان لگا ہوا ہے اور ہر ایک بجائے خود یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے مذہب کو سچا دکھائے مگر میں کہتا ہوں کہ روحانیت کو دیکھو کہ کس میں ہے اور تائیدی نشان کون اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

اور کونسا مذہب ہے جو گناہ کے کیڑے کو ہلاک کرنے کی قوت رکھتا ہے میں آپ کو اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی سچی معرفت جیسی گرمی سے گناہ کا کیڑا ہلاک ہوتا ہے **اسلام** میں ملتی ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی کے خون سے اس کیڑے کو موت آوے بلکہ خون پڑکر تو اور بھی کیڑے پیدا کریگا۔ اس لیے **خون** گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہرگز نہیں ہے **نجات** اور پاکیزگی کی یہی اصل وہی ہے جو میں نے آپکو بتائی ہے اور ساری دنیا کو چاہیے کہ اسی کو تلاش کریں۔

اس تقریر کے ختم کرتے کرتے نہر کا پل جو قادیان سے ۳ میل کے قریب ہے آ پہونچی۔ یہاں پہونچکر مسٹر ڈکسن حضرت سے رخصت ہو کر بٹالہ کو چلا گیا، اور حضرت اقدس واپس تشریف فرما ہو وہ واقعات ہم پہلے لکھ چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں

ایڈیٹر

ایک عیسائی نوجوان اور مسیح موعودؑ

منشی عبدالحق صاحب قصوری طالب علم بی۔اے کلاس لاہور جو عرصہ تین سال سے عیسائی تھے۔ **الحکم** اور حضرت اقدس علیہ السلام کی بعض تحریروں کو پڑھکر حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا کہ وہ **اسلام** کی حقانیت اور صداقت کو عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت **خلیفۃ اللہ** نے انکو لکھ بھیجا تھا کہ وہ کم از کم دو مہینے تک یہاں قادیان میں آکر رہیں۔ چنانچہ انہوں نے **دارالامان** کا قصد کیا اور ۲۲ دسمبر ۱۹۰۱ء کو بعد دوپہر یہاں آپہونچے پس اس عنوان کے نیچے ہم جو کچھ لکھیں گے سردست ان ہی کے متعلق ہوگا۔

ایڈیٹر

پہلی ملاقات

حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت بوجہ کثرت کار جو آجکل حضور رات کے بہت بڑے حصہ تک اس میں مصروف رہتے تھے کیونکہ ایک طرف **میگزین** کے لیے مضمون ترجمہ کیلئے لکھ دینا تھا دوسری طرف **المنار** کے لیے موعودہ رسالہ لکھ رہے تھے پھر قریباً دوسو سے زائد عظیم الشان نشانوں اور پیشگوئیوں کے نقشہ کی ترتیب کیلیے ان پیشگوئیوں اور نشانوں کو مرتب اور جمع کر رہے تھے۔ دو تین روز سے ناساز تھی مگر مہمانوں اور اس نوارد حق جو مہمان کے لیے آج آپ نے سیر کو تشریف لیجانے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ ۹ بجے کے قریب آپ باہر کو تشریف لے چلے۔ باہر نکلتے ہی منشی **عبدالحق صاحب عیسائی** کو حضور کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اور جو کچھ گفتگو ہوئی اسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں

ایڈیٹر

حضرت اقدس

آپ کو عیسائی ہوئے کتنا عرصہ گذرا اور کیا اسباب پیش آئے تھے جو عیسائی ہوگئے۔

منشی عبدالحق

مجھے عیسائی ہوئے اس دسمبر میں تین سال ہوگئے ہیں۔ چونکہ بعض عیسائی میرے دوست تھے اور ان سے میل ملاقات رہتی تھی۔ اور فیروزپور میں پادری نیوٹن صاحب تھے وہ بھی بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے یہی اسباب میرے عیسائی ہونے کے ابتدا میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت اقدس

یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ دو مہینے کے واسطے یہاں آگئے بظاہر یہ بات آپ کی حق جوئی کی نشانی ہے۔

منشی عبدالحق

جناب میں کالج سے نام کٹوا کر آیا ہوں رخصت نہیں ملتی تھی۔

حضرت اقدس

یہ تو اور بھی ہمت کا کام ہے۔ میرے نزدیک بہتر اور مناسب طریق جو آپ کے لیے مفید ہو سکتا ہے اب یہ ہے کہ آپ ان اعتراضات کو جو اسلام پر رکھتے ہیں اول ہمیں سلسلہ وار لکھ لیں اور ایک ایک کر کے پیش کریں ہم انشاء اللہ تعالیٰ جواب دیتے رہینگے اور جس جواب سے آپکی تسلی نہ ہو اسے آپ بار بار پوچھ لیں اور صاف صاف کہدیں کہ اس سے مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ مگر ان اعتراضوں میں امہات کا لحاظ رکھ لیں کہ وہ ایسے ہوں کہ **کتب** سابقہ میں اس قسم کے اعتراضوں کا نام و نشان نہ ہو ورنہ تضیع اوقات ہی ہوگا۔ جب آپ اعتراض کر چکیں گے پھر ہم آپ کو اسلام کی خوبیاں بتائیں گے کیونکہ یہ دو ہی کام ہیں ایک آپ کریں اور ہمیں مدد دیں دوسرا ہم خود کریں گے

اسی سلسلہ میں حضرت **مسیح موعودؑ** نے یوں سلسلہ کلام شروع کیا۔

تبدیل مذہب کے جو باعث ہوتے ہیں سب سے بڑا باعث وہ **جزئیات** ہوتی ہیں جنکو غلط فہمی اور غلط بیانی سے کچھ کا کچھ بنا دیا جاتا ہے اور اصول مذہب کو ان کے مقابلہ میں بالکل چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً اسلام کی بابت جب عیسائی لوگ کسی سے گفتگو کرتے ہیں تو اسلامی جنگوں پر کلام کرنے لگتے ہیں حالانکہ خود ان کے گھر میں **یشوع** اور **موسیٰ** کے جنگوں کی نظیریں موجود ہیں۔ اور جب انکا اسلامی جنگوں سے مقابلہ کیا جاوے تو وہ اسلامی جنگوں سے کہیں بڑھ کر مورد اعتراض ٹھیر جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ **اسلامی جنگ** بالکل دفاعی جنگ تھے اور ان میں وہ شدت اور سخت گیری ہرگز نہ تھی جو **موسیٰ** اور **یشوع** کے جنگوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ موسیٰ اور یشوع کی لڑائیاں عذاب الٰہی کے رنگ میں تھیں تو ہم کہتے ہیں کہ اسلامی جنگوں کو کیوں عذاب الٰہی کی صورت میں تسلیم نہیں کرتے موسوی جنگوں کو کیا ترجیح ہے۔ بلکہ ان اسلامی جنگوں میں تو موسوی لڑائیوں کے مقابلہ میں بڑی بڑی رعایتیں دی گئی ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ چونکہ وہ لوگ نوامیس الٰہیہ سے ناواقف تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انپر موسیٰ علیہ السلام کے مخالفوں کے مقابلہ میں بہت بڑا رحم فرمایا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔

الحکم کی کسی اگلی اشاعت میں سورۃ جمعہ کی تفسیر درج ہونے والی ہے۔

پھر اسلامی جنگوں میں موسوی جنگوں کے مقابلہ میں یہ بڑی خصوصیت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خادموں کو مکہ والوں نے برابر ۱۳ سال تک خطرناک ایذائیں اور تکلیفیں دیں اور طرح طرح کے دُکھ ان ظالموں نے دیے چنانچہ ان میں سے کئی قتل کیے گئے اور بعض بُرے بُرے عذابوں سے مارے گئے چنانچہ تاریخ پڑھنے والے پر یہ امر مخفی نہیں ہے بیچاری عورتوں کو سخت شرمناک ایذاؤں کے ساتھ مار دیا یہاں تک کہ ایک عورت کو دو اونٹوں سے باندھ دیا اور پھر اُن کو مختلف جہات میں دوڑا دیا اور اس بیچاری کو چیر ڈالا اس قسم کی ایذا رسانیوں اور تکلیفوں کو برابر ۱۳ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک جماعت نے بڑے صبر اور حوصلہ کے ساتھ برداشت کیا۔ اسپر بھی انھوں نے اپنے ظلم کو نہ روکا۔ اور آخرکار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کیا گیا اور جب آپ نے خدا تعالے سے انکی شرارت کی اطلاع پا کر مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی پھر بھی انھوں نے تعاقب کیا۔ اور آخر جب یہ لوگ پھر مدینہ پر چڑھائی کر کے گئے تو اللہ تعالے نے انکے حملہ کو روکنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ اہل مکہ اپنی شرارتوں اور شوخیوں کی پاداش میں عذاب الٰہی کا مزہ چکھیں۔ چنانچہ خدا تعالے نے جو پہلے وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں گے تو عذاب الٰہی سے ہلاک کیے جائینگے وہ پورا ہوا۔ خود قرآن شریف میں ان لڑائیوں کی یہ وجہ صاف لکھی ہے اُذِنَ للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الخ یعنی ان لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی جنکے قتل کے لیے مخالفوں نے چڑھائی کی (اس لیے اجازت دی گئی) کہ انپر ظلم ہوا۔ اور خدا تعالے مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے یہ وہ مظلوم ہیں جو ناحق اپنے وطنوں سے نکالے گئے۔ انکا گناہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھا کہ انھوں نے کہا کہ ہمارا رب **اللہ** ہے۔

یہ وہ آیت ہے جس سے اسلامی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر جسقدر رعایتیں اسلامی جنگوں میں دیکھو گے ممکن نہیں کہ موسوی یا یشوعی لڑائیوں میں اس کی نظیر مل سکے۔ موسوی لڑائیوں میں لاکھوں بے گناہ بچوں کا مارا جانا۔ بوڑھوں اور عورتوں کا قتل۔ باغات اور درختوں کا جلا کر خاک سیاہ کر دینا توریت سے ثابت ہے مگر ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے باوصفیکہ ان شریروں سے وہ سختیاں اور تکلیفیں دیکھی تھیں جو پہلے کسی نے نہ دیکھی تھیں پھر ان دفاعی جنگوں میں بھی بچوں کو قتل نہ کرنے عورتوں اور بوڑھوں کو نہ مارنے راہبوں سے تعلق نہ رکھنے اور کھیتوں اور ثمر دار درختوں کو نہ جلانے اور عبادت گاہوں کے مسمار نہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اب مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ کس کا پلہ بھاری ہے

غرض

یہ بیہودہ اعتراض ہیں اگر انسان فطرت سلیمہ رکھتا ہو تو وہ مقابلہ کر کے خود حق پا سکتا ہے۔ کیا موسیٰ کے زمانہ میں اور خدا تھا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی اور۔ اسرائیلی نبیوں کے زمانہ میں جیسے شریر اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے اُس زمانہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بھی حد سے نکل گئے تھے پس اسی خدا نے جو رؤف و رحیم بھی ہے پھر شریروں کے لیے ایسے غضب بھی انکو ان جنگوں کے ذریعہ جو خود انھوں نے ہی پیدا کی تھیں سزا دیدی۔ لوط کی قوم سے کیا سلوک ہوا۔ نوح کے مخالفوں کا کیا انجام ہوا۔ پھر مکہ والوں کو اگر اس رنگ میں سزا دی تو کیوں اعتراض کرتے ہو۔ کیا کوئی عذاب مخصوص ہے کہ طاعون ہی ہو۔ یا پتھر برسائے جائیں خدا جسطرح چاہے عذاب دیدے۔

سنت قدیمہ اسی طرح پر جاری رہی ہے اگر کوئی ناعاقبت اندیش اعتراض کرے تو اسے موسیٰ کے زمانہ اور جنگوں پر اعتراض کا موقعہ مل سکتا ہے جہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کوئی رعایت روا نہیں رکھی گئی۔ نبی کریم کے زمانہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ آجکل عقل کا زمانہ ہے اور اب یہ اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ جب کوئی مذاہب سے الگ ہو کر دیکھے گا تو اُسے صاف نظر آ جاوے گا کہ اسلامی جنگوں میں اول سے آخر تک دفاعی رنگ مقصود ہے اور ہر قسم کی رعایتیں روا رکھی گئی ہیں جو موسیٰ اور یشوع کی لڑائیوں میں نہیں ہیں۔

ایک آریہ کی کتاب میری نظر سے گذری اُس نے موسوی لڑائیوں پر بڑے بڑے اعتراض کیے ہیں مگر اسلامی جنگوں پر اسے کوئی موقع نہیں ملا۔ مجھ سے جب کوئی آریہ یا ہندو اسلامی جنگوں کی نسبت دریافت کرتا ہے تو اُسے میں نرمی اور ملاطفت سے یہی سمجھاتا ہوں کہ جو مارے گئے وہ اپنی ہی تلوار سے مارے گئے۔ جب انکے مظالم کی انتہا ہو گئی تو آخر انکو سزا دی گئی اور ان کے حملوں کو روکا گیا۔

مجھے پادریوں کے سمجھانے اور اُن سے سمجھنے والوں پر سخت افسوس ہے کہ وہ اپنے گھر میں موسیٰ کی لڑائیوں پر تو غور نہیں کرتے اور اسلامی جنگوں پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں۔ اور سمجھنے والے اپنی سادہ لوحی سے اُسے مان لیتے ہیں۔ اگر غور کیا جاوے تو موسوی جنگوں کا اعتراض حضرت مسیح پر بھی آتا ہے کیونکہ وہ توریت کو مانتے تھے اور حضرت موسیٰ کو خدا کا نبی تسلیم کرتے تھے۔ اگر وہ ان جنگوں اور ان بچوں اور عورتوں کے قتل پر راضی نہ تھے تو انھوں نے اسے کیوں مانا گویا وہ لڑائیاں خود مسیح نے کیں اور ان بچوں اور عورتوں کو خود مسیح نے ہی قتل کیا۔

الحکم کی کسی اگلی اشاعت میں مسیح موعود کی پیشگوئیوں پر ایک مضمون شروع ہونے والا ہے۔

اور اصل یہ ہے کہ خود مسیح علیہ السلام کو لڑائی کا موقع ہی نہیں ملا۔ ورنہ وہ کم نہ تھے انھوں نے تو اپنے شاگردوں کو حکم دیا تھا کہ کپڑے بیچ بیچکر تلواریں خریدیں + یہ بالکل سچی بات ہے کہ اگر قرآن شریف ہماری رہنمائی نہ کرتا تو ان نبیوں پر سے امان اُٹھ جاتا۔

قرآن شریف کا احسان ہے تمام نبیوں پر اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ انھوں نے آکر ان سب کو اس الزام سے بری کر دکھایا۔

قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اسکی یہی تعلیم ہے کہ کسی سے تعرض نہ کرو۔ جنھوں نے سبقت نہیں کی اُن سے احسان کرو۔ اور ابتدا کرنے والوں اور ظالموں کے مقابلہ میں بھی دفاع کا لحاظ رکھو حد سے نہ بڑھو + اسلام کی ابتدا میں ایسی مشکلات در پیش تھیں کہ ان کی نظیر نہیں ملتی ایک کے مسلمان ہونے پر مرنے مارنے کو طیار ہو جاتے تھے اور ہزاروں فتنے بپا ہوتے تھے اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے پس **امن عامہ** کے قیام کے لیے مقابلہ کرنا پڑا اگر ہندو اسپر اعتراض کرتے تو کچھ تعجب اور افسوس کی جا نہ تھی مگر خود جن کے گھر مین اس سے بڑھکر اعتراض آتا ہے ان کو اعتراض کرتے ہوئے دیکھکر تعجب اور افسوس ہوتا ہے۔ عیسائیوں نے اس قسم کے اعتراض کرنے مین بڑا ظلم کیا ہے کیا ان مین ایسا ہی ایمان ہے؟

پھر منجملہ جزئیات کے **غلامی** کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہین حالانکہ قرآن شریف نے غلاموں کو آزاد کرنیکی تعلیم دی اور تاکید کی ہے اور جو اور کسی کتاب مین نہیں ہے۔ اسی قسم کی جزئیات کو یہ لوگ محل اعتراض ٹھہرا کر ناواقف لوگوں اور آزاد طبع جوانوں کے سامنے پیش کر دیتے ہین۔ پس آپ کو مناسب ہے کہ آپ اعتراض کرتے وقت اس امر کا بڑا بھاری لحاظ کرین۔ کہ اسے گناہ اور محل اعتراض ٹھہرائین جو **خدا نے گناہ قرار دیا ہو** نہ وہ جو کہ پادری تجویز کرین۔ مین سولہ یا سترہ سال کی عمر سے اُن سے ملتا تھا مگر اس نور کی وجہ سے جو خدا نے مجھے دیا تھا مین ہمیشہ سمجھ لیتا تھا کہ یہ دھوکہ دیتے ہین۔ باقی آئندہ

الحی القیوم

حضرت مولانا مولوی عبد الکریم صاحب کا ایک خطبہ الحکم کے ایڈیٹر کے الفاظ میں

(۱)

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

اللہ ایسی ذات پاک ہے جو تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ ہے اُس کے سوا اور کوئی معبود۔ مطلوب۔ محبوب۔ اور مطاع نہیں۔ وہ **الحی** (زندہ) ہے اور ہر قسم کی زندگیوں کا سرچشمہ ہے۔ وہ **القیوم** (اپنی ذات میں قائم) ہے اور ہر چیز کا قیام اور بقا اسی کے ساتھ ہے۔

(۲) قرآن شریف کی بڑی عظیم الشان کاروائیوں میں سے یا قرآن کریم کے پاک وجود کی ضرورتوں میں سے سب سے بڑی ضرورت کہ کیوں اس کتاب کے آنے کی ضرورت ہوئی اور اس نے آکر کیا کیا **ایک** یہ بھی ہے کہ اس نے وہ خدا پیش کیا ہے جو حقیقی خدا ہے۔ ہاں وہ خدا دکھایا ہے جسکی انسان کو ضرورت ہے اور بڑی صفائی اور پاکیزگی کے بعد جس پر بھروسہ کر کے انسانی فطرت ایک ذوق سے بھری ہوئی خوشی حاصل کر سکتی ہے اور دنیا کی صعبناک منزلوں میں جس کے سہارے پر وہ دوڑتا جاتا ہے۔ اور دنیا کے ہموم و غموم کے تاریک جنگلوں میں اور بیابانوں میں جسکی روشنی اور معیت سے وہ راہ پاتا اور تسلی پکڑتا ہے۔ سو حقیقت میں یہ سچی اور بالکل سچی بات ہے کہ انسان کے اندر جو قصد۔ ارادہ۔ ہمت اور بلند پروازگی اسی قدر ہوتی اور ہوسکتی ہے جس قدر شے مطلوب ہو۔ جس پایہ اور رتبہ کی چیز کو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے اسی اندازہ اور قدر کے ارادے اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر انھیں ارادوں اور عزموں کے اندازہ پر حصول مطلب کیلیے دوسرے سامان وہ بہم پہنچاتا ہے دیکھو

اگر ایک شخص زمین کے اندر ایک چھوٹا سا سوراخ کرنا چاہے تو اسی سوراخ کی مقدار اور اندازہ کے موافق اسکی طیاری اور ارادہ ہوگا لیکن اگر وہ ایک کنواں طیار کرنا چاہے تو اسی کے موافق اس کا عزم اور اسکی طیاری کا سامان ہوگا۔ اسی طرح پر اگر ایک شخص ننگل (قادیان سے کوئی ایک کوس کی مار پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے) جانا چاہے تو اسکی طیاری اسی حیثیت سے ہوگی لیکن اگر اسکو کلکتہ یا بمبئی یا کم از کم لاہور امرتسر ہی جانا ہو تو اسکی طیاری میں اسی سفر کے اندازہ پر بہت اور اُس کے قویٰ میں زبردست تحریک ہوگی ان مثالوں پر غور کر لینے سے یہ اصول صاف سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کے اندر ارادہ اور عزم۔ ہمت اور حوصلہ شے مطلوب کی بزرگی اور پایہ کے برابر ہوتا ہے۔ اب اسی اصول کو مدنظر رکھکر ہم کہتے ہیں کہ انسان کے سامنے جس قسم کا خدا پیش کیا جاوے ویسی ہی صفات اُن صفات کے حسب حال تحریکیں اور عزم اسمیں پیدا ہوں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے جو خدا دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور جو انسان کا حقیقی مطلوب۔ معبود اور محبوب ٹھہرایا ہے اُس کے تصور ہی سے انسانی ارادوں اور ہمتوں میں ایک زبردست تحریک بلند پروازگی اور اولوالعزمی کی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی انسانی فطرت کا اصل منشا اور مقتضی ہے **انسانی روح** کی وہ بیشمار قوتیں جو اسمیں حکیم و خبیر خدا نے ودیعت رکھی ہوئی ہیں اپنی تکمیل اور نشو و نما اور پھر ترقی پر ترقی کرنے کی اضطراری طلب جو اُن میں موجود ہے وہ بالکل بے سود اور عبث ہوتی اگر مطلوب کمزور اور ناتوان ہوتا۔

ہم [?] دنیا اللہ تعالےٰ کی اس حقیقت اور صفات سے کوئی اطلاع نہ پا سکتی جو قرآن مجید نے اسکو ظاہر کیں ہیں۔ انجیل نے مثلاً ایک خدا پیش کیا اور اسے گاڈ کے لفظ سے تعبیر کیا اور ساتھ ہی اسکی حقیقت یوں بتائی کہ مریم کے پیٹ میں اس گاڈ نے آکر نو ماہ تک حیض کے خون سے پرورش پائی اور پھر ریں ریں ہیں ہیں کرتا ہوا معمولی راہ سے

پیدا ہوا۔ اور ایک عرصہ تک اپنی ماں کے اوپر پیشاب پاخانہ کر کے دُکھ دیتا رہا۔

بھوک پیاس اور بیماریوں کے سد مات سے مضطرب ہو کر روتا چلاتا رہا۔ جب جوان ہوا تو شیطان آزماتا پھرا اور پہاڑوں پر لے گیا۔ آخر عدالتوں میں پکڑوا اور گھسیٹا گیا اور بغاوت اور کفر کے الزام لگائے گئے۔ اور صلیب پر طمانچے کھاتا ہوا چڑھایا گیا اور ملعون ہو کر ہاویہ میں رہا وغیرہ وغیرہ۔

اور پھر انجیل دکھاتی ہے کہ اُس میں کوئی علم۔ کوئی قوت نہیں بلکہ ہر قسم کا ضعف ناتوانی۔ بیکسی اُسمیں پائی جاتی ہے اب ایسے خدا کا تصور کر کے روح اور راستی سے کون اسکی عبادت کرے گا اور اُس سے محبت کرے گا۔ میرا ایمان ہے کہ وہمیں ایسے خدا کے لیے محبت کیونسطی جوش اور تحریک پیدا نہیں ہوسکتی کیونکہ اسکی فطرت میں ہے کہ وہ ایسی لغو اور فضول ردی اشیا سے پیار نہیں کرتی۔

اور اس کا عملی نمونہ بھی ہمیں کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ کوئی مجھے بتائے کہ ان لوگوں نے جب ایسے خدا سے تعلق پیدا کیا تو پھل کیا پایا؟ کون سے عظیم الشان اور خوارق عادات اور نشانات انمیں پیدا ہوئیں بلکہ اعتقاد کی شامت سے عیسائیوں کو اسی قطعاً انکار ہے کبھی نشان دکھا سکتے ہیں اور **قبولیت دعا** کا مسئلہ بھی انمیں نہیں رہا۔ میں ایک لفظ میں کہدیتا ہوں کہ **وہ زندہ مذہب نہیں رہا**۔ خیالات کی اشاعت کے لیے پانی کی طرح مال بہانا یا ہر قسم کی اسباب کو ہاتھ میں لینا یہ سچائی کی قوی دلیل نہیں ہوسکتی جب تک خود مذہب کے اندر سے روشنی نہ نکلے جو سچائی کے اظہار میں خارق عادت زندہ نشان اسکے ساتھ نہ ہوں۔

اس لیے میں پھر سوال کرتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ عیسائی مذہب کے زندہ برکات اسکے ساتھ نہیں یہ نحوست کیوں پڑی کہ ایک بھی صلیب کا پرستار ایسا دکھائی نہیں دیتا جو دعوی کے ساتھ کہہ سکے کہ ہاں میں انجیل کے جلال کو ظاہر کرنے کے واسطے تائیدی نشان دکھا سکتا ہوں اسکا قلعہ یہی ہے کہ ان کے قلب پر جب یہ صدمہ آگرا تھی کہ خود ساری رات روتے رہنے والے خدا کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ اور بھی ساری ناکام زندگی کا نظارہ ان کے سامنے آیا تو یہ منحوس اور مردہ اعتقاد رکھنا پڑا۔ کہ اب کلمات مکاشفات نہیں ہوتے اس لیے کہ ان کے سامنے ایک کم علم اور کمزور خدا ہے چونکہ مرید میں حوصلہ مراد ہی کے موافق ہونا چاہیے تھا اس لیے انمیں وہ عزم وہ ہمت پیدا نہیں ہوسکتی۔

اگر کوئی ببول کے درخت کے نیچے جائے تو اسے پھل کھانے کا شوق اور عزم کہاں سے ہوگا لیکن ہاں اگر بیدانہ کے درخت کے نیچے جاؤ گے تو خواہ نخواہ ایک جوش اور تحریک پھل کھانے کے واسطے پیدا ہوگی اسیطرح پر ان لوگوں نے جو ضعف اور ناتوانی خدا کو سامنے پایا تو رفتہ رفتہ **قبولیت دعا** اور تائیدی نشانوں سے انکار ہی کر دیا۔ یہی حال تمام بت پرست قوموں کا ہے لیکن

قرآن کریم جیسی مجید اور حکیم کتاب نے جو خدا انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسکی صفات اور شان بزرگ کے تصور ہی سے انسان کی اُمید دراز ہو جاتی اور اسکی فطرت میں عبادت اور حمد کے لیے ایک جوش پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ **الحی القیوم** ہے۔ یعنی استحقاق عبادت اُسے ہی ہے محبت اُسی سے لگانی چاہیے اسلیے کہ زندہ اور قائم بالذات وہی ہے۔

اگر میں اسکی تفسیر کروں تو کم از کم دو تین گھنٹے مطلوب ہوں اور خطبہ اس کا متحمل نہیں اسلیے میں بہت مختصر طور پر اسے بیان کرتا ہوں۔ سب سے اول یہ دیکھنا چاہیے کہ ان الفاظ میں کیسی فصاحت بلاغت سے خدا تعالی کی ہستی پر دلیل دی ہے۔ یہ کہکر کہ وہ حی بالذات اور قائم بالذات ہے اور کسی چیز میں بغیر اسکی یہ صفت پائی نہیں جاتی کہ بغیر کسی علت موجبہ کے آپ قائم ہو اور نظام عالم کے لیے علت موجبہ ہوسکے۔

پھر ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک ایک صفت کے تصور سے کیا کیا ارادے اور امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور کیوں دل اس سے تعلق پکڑنے کو تڑپتا ہے۔ اس لیے کہ حقیقت میں انسان کی روح کا سچا مطلوب وہی ہے مگر بدقسمتی ہے اس قوم کی جس نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ وہ مصلوب ہوا اور لعنتی ہوا۔ اور ایک کتاب پیش کرتی ہے اس خدا کو جسکی ابتدا حیض کے خون سے اور انتہا صلیب کی لعنت اور ہاویہ کی سزا پر ہوئی۔

میں بار بار اس اصول کو پیش کرتا ہوں کہ اس خدا کے ماننے والوں نے کیا پایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خدا پیش کیا اسکو ماننے والے لوگوں نے کیا پایا۔ نمونہ کے طور پر خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی قوم ہی کو دیکھو جو آپ کے ساتھ ہوئی آپ نے قریش کے درمیان دعوی کیا کہ میں خدا کی طرف سے ہوں ایسے وقت میں کہ کوئی شان و شوکت نہ تھی جمعیت اور جتھا نہ تھا بالمقابل قریش کے ساری قوم مخالف تھی۔ اور خطرناک مخالف اب خیال کر کے دیکھو کہ وہ کون سی قوت اور طاقت تھی جس کے سہارے پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہیں بولتے تھے کہ فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون۔

ان جانستاں مصیبتوں میں اسی الحی القیوم خدا پر سہارا تھا جو ایسے زبردست دعوے اُن کے سامنے کیے گئے۔ اور پھر وہ سب کے سب پورے ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان چونکہ ایک مقتدر۔ قادر مطلق ہستی پر تھا یہ ایمان ہی ان کے اندر تمام قوی میں ایک حوصلہ اور تسلیم پیدا کرتا تھا اور روح میں دعاؤں کے لیے ایک زبردست جوش پیدا ہوتا تھا جس نے اپنی ساری دعاؤں کی قبولیت کا نمونہ دکھا دیا یہی وجہ ہے کہ آج جبکہ تمام قومیں اقرار کر چکی ہیں کہ خدا کے ساتھ سچے تعلقات کا نمونہ دکھلانیوالا انمیں کوئی نہیں اور اس نمونہ کی وجہ سے خدا اس کے مکالمات۔ مکاشفات ملائکہ اور دعاؤں کی قبولیت کا انکار کیا گیا ہے خدا کی ہستی کے جتنے زبردست ثبوت تھے ان سے جب انکار ہوا تو غیور خدا نے

اسی طرح جیسے ایک وقت میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا کہ الحی القیوم خدا کا نمونہ دکھا دے اسی طرح اس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز حضرت غلام احمد علیہ الصلوۃ والسلام کو مسیح موعود کر کے بھیجا۔ جس نے آکر اسی طرز پر خدا کی ہستی کا ثبوت دکھایا۔

میرے دوستو! اگر تمہارے پاس اور کوئی بھی ثبوت نہ ہو تو تم مشرق میں مغرب میں کہیں نکل جاؤ اور کسی گدی نشین کسی راہب یا پادری سے ملو اور پوچھو کہ کیا وہ آسمانی نشان دکھانے میں اسکا مقابلہ کر سکتا ہے؟ تمہیں جواب ملیگا کہ ہرگز نہیں۔ پس جبکہ اس وقت مذاہب حشرات الارض کی طرح نکلے ہیں اور ہر ایک ان میں سے اپنے آپ کو سچا اور خدا کا قائم کردہ مذہب بتاتا ہے پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ ان میں خدا کی تائید کے نشان نہیں اور صرف اسی کی پاس ہیں میرے دوستو! یہی دلیل تو اسکے صدق پر کافی ہے

پس تم سجدات شکر بجا لاؤ۔ کہ اسنے تمہیں توفیق دی کہ خدا کی ہستی ہاں الحی القیوم خدا کی ہستی پر اطلاع پانیکے لیے زندگی کی روح رکھنے والے امام کو شناخت کیا اور اسی میں ہو کر زندہ خدا کو پہچانا جسکو مان کر تمہاری امیدوں کا میدان وسیع ہوا۔ تمہیں قبولیت دعا کا پتہ لگا اور خدا کی قدرتیں تم پر آشکار ہوئیں۔

خدا ایسا کرے کہ ہم نے اس کی برگزیدہ امام کے ساتھ جو سچا تعلق پیدا کیا ہے اس اخلاص اور ایمان میں ہم دن بدن ترقی کریں ہمارا مرنا جینا اور قیامت کو اٹھنا اسی کے ساتھ ہو۔

ہمارے چال چلن میں ایک درخشاں تبدیلی ہو۔ ہم دنیا کے لیے ایک برگزیدہ نمونہ ٹھہریں۔ اور خدا کی ہستی پر صادق گواہ ہوں۔

آمین

خطبہ عید الفطر

جو حضرت مولانا و مخدومنا مولوی **نور الدین** صاحب حکیم الامت نے پڑھا اور ناظرین الحکم کے لیے ایڈیٹر نے بعد اصلاح و نظر ثانی مولانا موصوف شائع کیا۔ **ایڈیٹر**

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ

سورہ مومنون رکوع ۲

یہ آیتیں جو میں نے تم کو سنائی ہیں یہ اس شخص کا قصہ ہے جو دنیا میں اصلاح الناس کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اسکا نام **نوح** ہے علیہ الصلوۃ والسلام وہ ایک پہلا انسان ہے جو لوگوں کو آگاہ اور بیدار کرنے کے واسطے غفلت کے زمانہ میں آیا تھا۔ وہ ایک خطرناک ظلمت اور تاریکی کے دنوں میں **نور** اور **ہدایت** لے کر آیا تھا۔ یہ استوریاں کہانیاں اور دل خوش کن قصے نہیں بلکہ

عبرة لاولوا الابصار

صداقتیں ہیں ان اہل نظر کے لیے جنمیں تذکرہ کا مادہ ہوتا ہے جو فہم و فراست سے حصہ رکھتے ہیں ان قصص میں بڑے بڑے معنی اور رموز دقیقہ ہوتے ہیں میں نے بجائے خود ان قصص سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ ان میں یہ عظیم الشان قصہ قابل غور ہے۔ اس کے کتنے وجوہ ہیں اول کسی مامور من اللہ کو کیونکر شناخت کر سکتے ہیں؟۔ دوم مامور من اللہ کیا پیش کرتے ہیں یا یوں کہو کہ وہ کیا تعلیم لیکر آتے ہیں یا یہ کہو کہ وہ خدا تعالے کے حضور سے کس غرض کے لیے مامور ہو کر آتے ہیں۔ سوم لوگ ان پر کس کس قسم کے اعتراض کرتے ہیں۔؟

یہ امور اس لیے پیش کیے ہیں تا کسی راستباز مامور من اللہ کی شناخت میں تمہیں کبھی کوئی دقت نہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سید و مولی ہادی کامل **محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم** نے اپنی رسالت اور نبوۃ کو پیش کرتے ہوئے یہی فرمایا اور یہی آپکو ارشاد ہوا

قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

میں کوئی نیا رسول تو نہیں آیا ہوں۔ جو رسول پہلے آتے رہے ہیں انکے حالات اور تذکرے تمہارے پاس ہیں ان پر غور کرو اور سبق سیکھو کہ وہ کیا لائے اور لوگوں نے ان پر کیا اعتراض کیے کیا باتیں تھیں جنپر عملدرآمد کرنے کی وہ تاکید فرماتے تھے اور کیا امور تھے جن سے نفرت دلاتے تھے۔ پھر اگر تمہیں کوئی نئی چیز نہیں ہے تو اعتراض کیوں ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں؟ ان کے معترضوں کا انجام کیا ہوا تھا؟

الغرض پہلے نبیوں کے جو قصص اللہ تعالے نے بیان کیے ہیں انمیں ایک عظیم الشان غرض یہ بھی ہے کہ آیندہ زمانہ میں آنیوالے ماموروں اور راستبازوں کی شناخت میں دقت نہو اگرچہ اس وقت میں نے نوح علیہ السلام کا قصہ آپ کو پڑھ کر سنایا ہے سب سے پہلی بات جو اس میں بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل وعظ اور انکی تعلیم کا اصل مغز اور خلاصہ کیا ہوتا ہے وہ خدا کے ہاں سے کیا لیکر آتے ہیں اور کیا منوایا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے **ان اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ افلا تتقون**۔ اللہ جلشانہ کی ہی فرمانبرداری اختیار کرو۔ اسکی اطاعت کرو۔ اس کی محبت کرو۔ اس کے آگے تذلل کرو۔ اسی کی عبادت ہو۔ اور اللہ کے مقابل میں کوئی غیر تمہارا مطاع محبوب مقصود مطلوب امید و بیم کا مرجع نہو۔ اللہ تعالے کے مقابل تمہارے لیے کوئی دوسرا اندنہو۔ ایسا

نہ ہو کہ اللہ تعالے کا حکم تمہیں ایکطرف بلاتا ہو اور کوئی اور چیز خواہ وہ تمہارے نفسانی ارادے اور جذبات ہوں یا قوم اور برادری (سوسائٹی) کے اصول اور دستور ہوں۔ سلاطین ہوں امرا ہوں۔ ضرورتیں ہوں غرض کچھ ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالے کے حکم کے مقابل میں تیرا اثر انداز ہو سکے پس اللہ کی اطاعت۔ عبادت۔ فرمانبرداری تذلل اور اسکی حب کے سامنے کوئی اور شے محبوب۔ معبود مطلوب اور مطاع نہ ہو۔

یہ ایک صورت خدا تعالے کے ساتھ ند نہ بنانے کی اعتقادی طور پر ہے دوسری صورت یہ ہے کہ جسطرح اللہ تعالے کا کوئی ند اور مقابل نہ ہو اسیطرح پر خدا تعالے کی جسطرح پر عبادت کی جاتی ہے۔ جسطرح اس کے احکام کی تعمیل اور اوامر کی تعظیم کی جاتی ہے دوسرے کے احکام و اوامر کی ویسی اطاعت وہی تعمیل وہی تعظیم اسیطرز و نہج پر امید و ڈر ہرگز نہ ہو۔ اور کیسیکو اسکا شریک بنایا جاوے۔

جب انسان ان دونوں مرحلوں کو طے کر لیتا ہے یا یوں کہو کہ خدا تعالے کی نافرمانی چھوڑتا اور اسکی اطاعت اور صرف اسی کی اطاعت کرتا ہے تو پھر اُسکا آخری مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان متقی ہو جاتا ہے۔ تمام دکھوں سے محفوظ ہو کر سچی راحتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے + پس نوح علیہ السلام نے آکر اپنی قوم کے سامنے وہی تعلیم پیش کی جو تمام راستبازوں کی تعلیم کا خلاصہ اور انبیا و رسل کی بعثت کی اصل غرض ہوتی ہے اور پھر انہیں کہا۔

افلا تتقون۔

تم کیوں متقی نہیں بنتے؟ یاد رکھو انسان کو جسقدر ضرورتیں پیش آسکتی ہیں جسقدر خواہشیں اور امنگیں اسے کسیطرف کھینچکر لے جا سکتے ہیں وہ سب تقوی سے حاصل ہوتی ہیں۔ متقی اللہ تعالے کا محبوب ہوتا ہے ہو سا اس سے بڑھ کر انسان کسی دوست اور حبیب کی خواہش کر سکتا ہے تقوی سے انسان خدا تعالی کی تولی کے نیچے آتا ہے۔ متقی کے ساتھ اللہ ہوتا ہے متقی کے دشمن ہلاک ہوتے ہیں متقی کو اللہ تعالے اپنی جناب سے تعلیم دیتا ہے متقی کو ہر تنگی سے نجات ملتی ہے اللہ تعالے متقی کو ایسی راہوں اور جگہوں سے رزق پہونچاتا ہے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ جیسا کہ خود اسکی حمید و مجید کتاب میں موجود ہے۔

واللہ یحب المتقین۔ واللہ ولی المتقین۔ ان اللہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون۔ ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا۔ و اتقوا اللہ و یعلمکم اللہ۔ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب۔

اب مجھے کوئی بتا دے کہ انسان اسکے سوا اور چاہتا کیا ہے۔ اس کی تمام خواہشیں۔ تمام ضرورتیں۔ تمام امنگیں اور ارادے ان سات ہی باتوں میں آجاتی ہیں اور یہ سب متقی کو ملتی ہیں پھر نوح ہی کے الفاظ بلکہ خدا تعالے ہی کے ارشاد کے موافق میں آج تمہیں یہی کہتا ہوں۔

افلا تتقون

تم کیوں متقی نہیں بنتے؟ اور کیا تقوی کیا ہے؟ تقوی نام ہے اعتقادات صحیحہ۔ اقوال صادقہ۔ اعمال صالحہ۔ علوم حقہ۔ اخلاق فاضلہ۔ ہمت بلند شجاعت استقلال عفت حلم قناعت صبر کا۔ اور یہ شروع ہوتا ہے حسن ظن باللہ۔ تواضع۔ اور صادقوں کی محبت اور ان کے پاس بیٹھنے۔ انکی اطاعت سے جبکہ تقوی کی ضرورت ہے اور یہ حاصل ہوتا ہے صادقوں کی صحبت اور محبت سے اور حسن ظن باللہ سے تو راستبازوں اور ماموروں کا دنیا میں آنا ضرور رہا۔ اور انکی تعلیم اور بعثت کا منشا اور مدعا یہی ہوا اور یہی تعلیم لے کر نوح علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے قوم کو یہی فرمایا مگر نا عاقبت اندیش۔ حیلہ باز۔ حیلہ ساز مخالفوں نے اس کے جواب میں کیا کہا؟

فقال الملأ الذین کفروا من قومہ ما ھذا الا بشر مثلکم

نابکار اعدائے ملت ائمۃ الکفر نے کہا تو یہ کہا

ما ھذا الا بشر مثلکم

کہ یہ شخص جو خدا تعالے کیطرف سے مامور ہونے کا مدعی ہے جو کہتا ہے کہ تمہیں ظلمت سے نکالنے کے لیے میں بھیجا گیا ہوں اسمیں کوئی انوکھی اور نرالی بات تو ہے نہیں ہمارے تمہارے جیسا آدمی ہی تو ہے

پس یاد رکھو سب سے پہلا اعتراض جو جو کسی مامور من اللہ راستباز صادق انبیا و رسل اور انکے سچے جانشین خلفا پر کیا جاتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ اسکو حقیر سمجھا جاتا ہے اور اپنی ہی ذات پر اسکو قیاس کر لیا جاتا ہے ایکطرف وہ اس کے بلند اور عظیم الشان دعاوی کو سنتے ہیں کہ وہ کہتا ہے میں خدا کیطرف سے آیا ہوں۔ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اُس کے ملائکہ مجھ پر اُترتے ہیں۔ دوسری طرف وہ دیکھتے ہیں کہ وہی ہاتھ پاؤں۔ ناک۔ کان۔ آنکھ اعضا رکھتا ہے بشری حوائج اور ضرورتوں کا اسی طرح محتاج ہے جسطرح ہم ہیں۔ اسی لیے وہ اپنے ابنائے جنس سمجھکر یہی کہتے ہیں یاکل مما تاکلون منہ و یشرب مما تشربون پس اپنے جیسے انسان کی اطاعت و فرمانبرداری کرکے خسارہ اُٹھاؤگے۔

غرض

اس قسم کے الفاظ اور قیاسات سے وہ مامورین اللہ کی تحقیر کرتے ہیں اور جو کچھ اپنے اندر رکھتے ہیں وہی کہتے ہیں۔ مگر انبیا۔ مرسل مامور۔ اور اصحاب شریعت کے سچے خلفا اور جانشین انھیں کیا جواب دیتے ہیں

ان نحن الا بشر مثلکم اور کہتے ہیں و لکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ۔

بیشک ہم تمہاری طرح بشر ہیں تمھاری طرح